

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَهُمْ صُبُلَنَا ۖ وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٢٥﴾
 (مور (۱۲۵) لوگ جو ہم سے لڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم ان کو موزوں اپنے رستوں کی طرف آنے کی توفیق
 بخشیں گے۔ اور یقیناً اللہ محسنوں کے ساتھ ہے۔

حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید
 حضرت مولانا سید عبد الواحد رحمۃ اللہ علیہ امیر جماعت ہائے احمدیہ بنگال
 کے برہمن بڑیہ مشرقی بنگال سے قلمیائیں جمع کر کے پور مشرقی پنجاب تک کے
 سوا ۱۲۵۰ ہزار میل طویل و طویل تبلیغی سفر کی کھسپ علمی و امتیاز

جذبات الحق

حضرت مولانا سید عبد الواحد مرحوم کے ذریعہ بنگال کے ایک ہزار طالبان حق سلسلہ خط
 عالیہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔ جزاؤ اللہ تعالیٰ خیراً و احساناً

طابع و ناشر

حکیم محمد عبد اللطیف شاہد منشی فاضل ادیب فاضل پنجابی فاضل یونیورسٹی
 تاج پور کتب خانہ امین بازار گوال سٹی لاہور و گول بازار ربوہ صلح جھنگ
 ٹیمٹ فی کالی آٹھ آنے۔ ایک سیکڑہ و تیس روپے برائے تبلیغ و تقسیم

جماعت احمدیہ کے بزرگ عالم کی لکھی ہوئی کتابیں

نہجور احمد بن عیود

جسے حضرت قاضی محمد یوسف صاحب ایمر جماعت احمدیہ سرحد نے اپنے شاگرد
واقعات کی بنا پر لکھا۔ بالخصوص قیامت و وارثین۔

نور احمد

جسے اوتھر کے سب سے پہلے احمدی مہاجرین نے نور احمد صاحب نے انجیل کی طرز پر لکھا ہے
اور حضرت مسیح موعود کے دعوے کے پہلے شہید علامہ اور ایمان افروز واقعات کو کسی دوسرے
مسافر نے نہیں ملے تھی یہ پانچ آئے۔

حیاتِ قدسی حواصل

مولفہ حضرت سرانا غلام رسول راجپوت

قبولِ احمدیت کی داستانِ معجزات قبولیتِ احمدیت عجیب و غریب حالاتِ قیامت ایک روپیہ

جناب خان دلاور خان صاحب مرحوم ڈپٹی کمشنر علاقہ سرحد کی قبولیت

میری داستانِ احمدیت کی داستانِ بالخصوص قیامت ڈیڑھ روپیہ

مشہور مبلغ اسلام اور انگلیزی کی پچھڑا اور اسلام کے سب سے پہلے مشنری حضرت مولود

تاسد حق جن علی صاحب آف میٹرو علاقہ بہار کے قبولِ احمدیت کی عجیب و غریب ڈپٹی علمی

داستان جسے پانچ کراپ بے حد محفوظ ہیں گے۔ ہر یہ صرف آٹھ آنے۔

ملنے کا پتہ

حکیم محمد اللطیف شاہد تاج کتب امین بازار گوالنری لاہور

گول بازار ربوہ ضلع جھنگ

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

اکابر حضرات صوفیہ کا قول ہے جَذْبَةُ مِنَ جَذَبَاتِ الْحَقِّ خَيْرٌ
مِنْ عَمَلِ الثَّقَلَيْنِ یعنی ایک کشش کششوں سے حق تعالیٰ کے
بہتر ہے عمل سے جن اور انس کے پس بناءً علیہ نام اس رسالہ کا

جَذْبَةُ الْحَقِّ

رکھا گیا۔ اس میں مؤلف علام حضرت مولانا سید محمد عبد الواحد
صاحب امیر جماعت احمدیہ برہمن پڑیہ نے اپنے احمدی ہونے
کی روئداد نہایت مختصر طور پر قلمبند فرمائی ہے۔
جسے دوسری بار حکیم عبداللطیف شاہد ۱۴۱۱ھ میں بازار گوالمندھی لاہور
نے دسمبر ۱۹۶۶ء میں طالبان حق کے لئے شائع کیا۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 عَمْدُ اللَّهِ الْعَظِيمِ وَنُصَلِّي وَنُسَلِّمُ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

وجہ تالیف

چونکہ اکثر حضرات بہت دنوں سے خاکسار سے اپنے احمدی ہونے کی روئیداد قلبند کرنے کے لئے اشتیاق ظاہر کرتے تھے لیکن خاکسار موانع چند در چند کی وجہ سے اس کئی تکمیل نہ کر سکتا تھا۔ اب چونکہ زندگی کا غنڈہ نظر آتا ہے معلوم نہیں کہ کب پیغام اہل آجاوے۔ لہذا ناچار نہایت محنت و کوشش سے باوجود حقوق کمال منعم و نقاہت کے قلبند کرتا ہوں تاکہ یادگار رہ جاوے اور طایبان حق کے لئے راہبر ہو۔ اول اول تو یہ ارادہ تھا کہ کسی قدر بسط کے ساتھ لکھوں۔ لیکن اس وقت بوجہ حقوق امراض گوناگوں و کمال منعم و نقاہت نہایت مختصر لکھتا ہوں کہ مَالَا يَذَرُكَ كَلَّةٌ لَا يُتْرَكُ كَلَّةٌ مَثَلُ مشہور ہے ومن اللہ التوفیق۔

جاننا چاہیے کہ سابق میں خاکسار اپنے والد ماجد مرحوم و مغفور سے جو حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی ہاجر مکہ معظمہ قدس سرہ کے شاگرد تھے بیعت کر کے طریقہ محمدیہ میں جو حضرت سید احمد صاحب بریلوی قدس سرہ کا طریقہ ہے منسلک تھا۔ اور حضرت سید احمد قدس سرہ تیرہویں صدی ہجری کے مجدد امت محمدیہ علی نبیہا الصلوٰۃ والتحیۃ

مانے جاتے تھے۔ لیکن جب تیرھویں صدی آخر ہونے لگی اور چودھویں صدی آنے لگی۔ تب غاکسار کو چودھویں صدی کے مجدد جدید کا خیال دامنگیر ہوا۔ کہ عنقریب کوئی دوسرا مجدد ظاہر ہوگا۔ اور اس بارے میں کچھ تجسس و تفتق بھی عمل میں لایا۔ کیونکہ ہر ایک صدی کے سرے پر مجدد و جدید کا ظاہر ہونا ایک ضروری بات ہے بفعول اے حدیث مشہور اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذَا الْاُمَّةِ عَلٰی رَاسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مِّنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا (مشکوٰۃ) یعنی تحقیق اللہ تعالیٰ مبعوث فرمائے گا واسطے اس امت کے اوپر سر ہر سو برس کے۔ اس شخص کو کہ تجدید کرے واسطے اس کے دین اس کا۔ جیسا کہ گذشتہ صدیوں میں ہوتے آئے ہیں۔

اور علمائے محققین اپنی اپنی تالیفات میں مفصل لکھتے آئے ہیں کما لا یخفی علی اَہْلِ الْعِلْمِ وَالْاَدَبِ۔ جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے اوپر اہل علم اور دریافت کے۔ پس ہر قوم اپنے اپنے مقتدا و معتقد یہ کی نسبت مجدد ہونے کا گمان کرنے لگے۔ چنانچہ غیر مقلدین جو اپنے کو اہل حدیث کہلاتے ہیں۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپال کی نسبت یہ گمان کرنے لگے اور بعض بعض مقلدین یعنی حنفی المذہب استادنا حضرت مولانا محمد عبدالحمید صاحب مرحوم و مغفور لکھنوی کی نسبت بھی یہی گمان کرتے تھے چنانچہ مؤلف حدائق الحنفیہ نے مولانا ممدوح کا ذکر کرتے ہوئے اس طرح لکھا ہے۔

غرض کہ کثرت تصنیفات اور نشر علوم دین کے سبب ہندوستان کے حنفیوں

ہیں اس زمانہ میں اس جامعیت و لیاقت کا اور کوئی عالم و فاضل دکھائی نہیں دیتا جس سے ان کو اگر چودھویں صدی کا مجددِ امتِ محمدیہ قرار دیا جاوے تو کوئی مبالغہ نہیں ہے اور بعض سوات و بنیر کے اخوند صاحب کی نسبت یہ گمان کرتے تھے اور بعض دیگر اشخاص کی نسبت۔ لیکن چونکہ کسی کو بھی تحقیق طور پر یہ دعویٰ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے کوئی بات مقرر نہ تھی۔ جس کے جی میں جو کچھ آتا تھا کہتا تھا اسی طرح پر چونکہ امام مہدی آخر زمان کے ظاہر ہونے کا بھی غالب مظنہ یہی چودھویں صدی کا آغاز تھا اور وہ وقت بھی سر پر اچکا تھا اور اکثر علمائے محققین کا خیال بھی اسی طرف تھکا ہوا تھا۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد عبدالحی صاحب مرحوم د مغفیر لکھنوی اپنی تالیف لطائف مستحسنہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

اتقرب ظہور الامام المہدی امام اخر الزمان
رما ادرالکمل لعلہ یظهر فی هذه المائۃ الخ

اور نواب صدیق حسن خان صاحب بھوپالی تو اپنی تالیفات مثل حدیث الخاشیہ اور حج الکرامہ وغیرہما میں بہت ہی وضاحت اور مہرحت کے ساتھ اپنا یہ گمان ظاہر کرتے ہیں پس اس تقریب سے بہت چھوٹے اور ناقابل لوگ بھی امام مہدی ہونے کا دعویٰ کر بیٹھے۔ لیکن غور و فکر سے ہی غرض میں زمانہ

بلکہ قریب ہوا ظاہر ہونا امام مہدی آخر الزمان کا اور کیا معلوم تم کو شاید کہ وہ ظاہر ہوں گے اسی صدی میں۔

کی دست برد سے نیرت و نابود ہو گئے۔ اور اسی سے لوگوں کی طبیعت میں یہ بات بیٹھ گئی کہ جو امام ہمدی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے وہ جھوٹا ہوتا ہے۔

اسی اثنائیں انواری طور پر سننے میں آیا کہ پنجاب کے علاقہ گورداسپور میں ایک شخص نے امام ہمدی ہونے کا دعویٰ کیا ہے لیکن مجھے اس کی طرف چنداں توجہ نہ ہوئی۔ اول وجہ یہ کہ امام ہمدی ہونے کا دعویٰ کرنے والے اکثر جھوٹے ہی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ تجربہ سے ظاہر ہو چکا ہے اور دوسری وجہ یہ کہ چونکہ وہ خبر مجھ کو منکرین و مخالفین کے ذریعہ محض بُری طرح سے پہنچی تھی۔ اس لئے اس خبر کی تحقیق کی طرف خاکسار کی توجہ مبذول نہ ہوئی۔ اسی زمانہ میں اتفاقاً فشی محمد دولت خاں صاحب دکیل مرحوم کے لئے ایک ڈبیہ مفرح غنبری کا ٹکنا پڑا۔ پس میں نے ایک پوسٹ کارڈ دکیل صاحب کی طرف کلاہود جناب حکیم محمد حسین صاحب قریشی کے پاس لکھ دیا۔ حکیم صاحب نے مفرح غنبری کی نو ایک ڈبیہ بھیجی۔ لیکن اس کے ساتھ ایک چھوٹا سا رسالہ بھی جس کا نام تفسیر سورۃ جمعہ تھا۔ دکیل صاحب کے نام مذمت بھیج دیا۔ وہ رسالہ حضرت خلیفہ اول جناب مولانا نور الدین صاحب مرحوم و مغفور کا لکھا ہوا تھا۔ دکیل صاحب اس رسالے کو پڑھ کر چونکہ کچھ بھی نہ سمجھ سکے اس وجہ سے میرے پاس لے آئے اور کہنے لگے ذرا اسے دیکھیے تو سہی شاید دلوں (لاہور میں) کوئی نیا فرقہ نکلا ہے۔ ہم اس رسالے کو حکیم صاحب کے پاس واپس بھیج دیں گے۔ ہم کو اس بکھیرے سے کچھ کام نہیں ہے۔ میں نے کہا۔

دائیں کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ہم اس کی حقیقت دریافت کر لیتے۔ اور رد لکھیں گے۔ پس وکیل صاحب وہ رسالہ مجھ کو دے کر چلے گئے۔ میں نے اول سے آخر تک اسے پڑھا۔ لیکن وہ رسالہ چونکہ طرزِ جدید پر لکھا گیا تھا۔ اس لئے کچھ بھی لطف نہ آیا۔ بلکہ بالکل فضول سا معلوم ہوا۔ کیونکہ جس طریق پر وہ لکھا گیا تھا۔ ہم اس سے مانوس نہ تھے۔ اسی میں یکایک میری نظر اس رسالے کے ٹائٹل پیج پر پڑی۔ جہاں لکھا ہوا تھا کہ اس رسالے کے مصنف کی علیبت کے قائل صرف ہندوستان ہی کے علماء نہیں ہیں۔ بلکہ عرب و مصر و شام و غیر ہما کے علماء بھی ہیں۔ اس نوٹ کو پڑھ کر میرا یہ خیال کہ عوام الناس جاہلوں کا کوئی فرقہ ہوگا ٹوٹ گیا۔ اور حقیقت دریافت کرنے کی طرف مجھے بڑی توجہ ہو گئی۔ آخر شش میں نے وکیل صاحب کی طرف سے حکیم صاحب کو ایک پورٹ کارڈ لکھا۔ اس کا مضمون تھا کہ جن امام کے آپ معتقد ہوئے ہیں۔ ان کے کچھ حالات لکھیں۔ اور ان کی لکھی ہوئی کچھ کتابیں بھی ارسال فرمادیں۔ تاکہ ہم لوگ بھی ان کے فیض سے مستفیض ہو سکیں اسی اثناء میں اتفاقاً خود وکیل صاحب بھی آگئے اور یہ دیکھ کر کہ میں نے ان کی طرف سے حکیم صاحب کو ایک پورٹ کارڈ لکھا۔ انہوں نے کہا کہ ایسا نہ ہو کہ حکیم صاحب کتابوں کا کوئی دی۔ پی بھیج دیں۔ یہ بھی لکھ دینا چاہیئے کہ جو کچھ بھیجیں ہدیہ بھیجیں کیونکہ بغیر کچھ حقیقت دریافت کئے ہوئے ہم روپیہ پیسہ خرچ نہیں کر سکتے۔ پس میں نے بھی

دکیل صاحب کے کہنے سے ویسا ہی لکھ دیا۔ حکیم صاحب نے بڑے شدد سے اس خط کا جواب دکیل صاحب کو یہ لکھا کہ جب آپ دیکھتے ہیں کہ دنیا کا کوئی کام بغیر پیسے کے نہیں چلتا تو کیا دین اور خدا طلبی کی راہ میں خرچ کر لے کے لئے آپ کے پاس پیسے نہیں۔ ہاں ہو سکتا ہے کہ دس بیس روپیہ کی کتابیں خرید کر ہم آپ کو بھیج دیں لیکن جبکہ ہم نزدیک والے اور غریبوں کے لئے اس قدر خرچ نہیں کر سکتے۔ تو آپ کے لئے جو اس قدر دور کے رہنے والے ہیں اور مرقہ الحال بھی ہیں روپے خرچ کرنا مناسب نہیں خیال کرتے۔ میں آپ کے لئے بھیجوں تو بھیجوں کیا کتابیں تو یہاں بہت ہیں۔ اور اخیر میں لکھا کہ آپ مر بانی فرما کر فی الحال صرف پانچ روپیہ میرے پاس بھیج دیں۔ تو میں کچھ کتابیں مناسب حال آپ کے انتخاب کر کے بھیج دوں گا۔ حکیم صاحب ممدوح نے حضرت صاحب کے کچھ حالات بھی مختصر طور پر لکھ کر بھیجا تھا جس میں انتم اور لکھنؤ کے واقعات بھی کچھ تحریر تھے۔ اور ریویو آف ریجنز اردو کے چند رسالے بھی مفت روانہ کئے۔ دکیل صاحب نے ان رسالوں کو لا کر میرے پاس ڈال دیا۔ پس وہ رسالے میرے پاس پڑے رہے اور کبھی کبھی میں ان میں سے کسی نہ کسی کو اٹھا کر دیکھ لیتا تھا۔ اور دل میں کہتا تھا۔ کہ اگر اس مدعی امام کی اپنی تصنیف کی ہوئی کوئی کتاب یا رسالہ یا تحریر ائمہ آتی تو حقیقت حال معلوم ہو جاتی۔ ان رسالوں کو الٹ پلٹ کرتے کرتے یکا یک ایک دن حضرت صاحب کی ایک تحریر خاکار

کی نظر سے گزری۔ میں نہایت توجہ کے ساتھ اس کو پڑھنے لگا طرز تحریر سے ایک شان و عظمت ظاہر ہوتی تھی۔ پڑھتے پڑھتے اچانک ایک جگہ چونک سا آنکھوں میں معلوم ہوا۔ پس آنکھوں کو ملکہ پھر پڑھنے لگا۔ اور پھر ایسا ہی معلوم ہوا اور پھر آنکھوں کو مل کر پڑھنے لگا۔ اور پھر وہی حالت ہوئی۔ تب میں نے غور سے دیکھنا شروع کیا۔ تب عبارتوں کے اندر ایک روشنی سی معلوم ہوئی۔ میں نے دل میں کہا کہ اہل باطل کی ذہبت سی تخریب میں نے دیکھی ہیں۔ لیکن یہ کیفیت کسی میں نہیں پائی۔ اہل باطل کے کلمات ظلمت سے پُر ہوتے ہیں۔ یہ روشنی کیسی۔ پھر حضرت صاحب کی کتابیں دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ اور ایک مرتبہ دل میں آیا کہ حکیم صاحب نے جو پانچ روپیہ وکیل صاحب سے طلب کیا تھا وہی پانچ روپیہ خفیہ میں حکیم صاحب کے پاس اپنے نام سے مسجدوں تاکہ حکیم صاحب کچھ کتابیں میرے نام پر روانہ کر دیں۔ لیکن اسی اثناء میں رسالہ ریویو آف ریلیجنز کے ایک ٹائٹل پیج پر حضرت صاحب کی تصنیف کردہ کتابوں کی ایک فہرست دیکھنے میں آئی۔ اس لئے حکیم صاحب کی وسالت کی ضرورت نہ رہی بلکہ میں نے براہ راست خود ہی تقادیان سے تھوڑی کتابیں مثلاً ازالہ اداہم ہر دو حصہ۔ تحفہ گولڑویہ۔ نشان آسمانی لیکچر ناہور اور لیکچر سیالکوٹ وغیرہ بذریعہ دی۔ پی منگالیں۔ اور بہت ہی توجہ کے ساتھ ان کتابوں کو پڑھنے لگا۔ اور جہاں جہاں اپنی دانست کے خلاف کچھ پاتا تھا حاشیہ پر نشان کرتا جاتا تھا۔ تاکہ نظر ثانی میں

اس کی اچھی طرح تحقیق کر سکوں۔ اور کبھی ایسا بھی اتفاق ہوتا تھا۔ کہ وہی کتاب پڑھتے پڑھتے شبہ دور ہو جاتا تھا۔ ان کتابوں کو پڑھنے کے بعد اور بھی کتابیں بدفعات منگوا یا اور پڑھتا گیا۔ آخر اور جوں جوں کتابیں پڑھتا تھا۔ شوق بڑھتا جاتا تھا اور صداقت کی روشنی دل میں پیدا ہوتی جاتی تھی۔ اول اول جب کتابیں پڑھتا اور کوئی بات دل میں کھٹکتی تو تردید لکھنا شروع کر دیتا تھا۔ لیکن جب اپنی تحریر پر نظر ثانی کرتا تھا۔ تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ تحریر کچھ بھی نہ ہوئی اور پھاڑ ڈالتا تھا۔ اسی طرح کاغذ کے بہت سے اوراق ضائع ہوئے۔ اور بالآخر میں خفک کر رہ گیا اور تردید لکھنے کا خیال دور کر دیا۔ پھر حضرت صاحب کی تائید میں کچھ زور طبیعت صرف کرنے لگا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس میں غیر معمولی قوت معلوم ہوتی ہے۔ اس کے بعد میں حضرت صاحب سے بلا واسطہ خط و کتابت کرنے لگا۔ اور اپنے شبہات کے جوابات خود حضرت صاحب سے طلب کرنے لگا۔ چنانچہ میرے بعض سوالات کے جوابات حضرت صاحب کی تصنیف براہین احمدیہ حصہ پنجم میں چھپے ہوئے موجود ہیں جو چاہے دیکھ سکتا ہے۔

اس عرصہ میں مجھ پر کئی امور کھلے۔ ۱۷ ایک یہ کہ اس جماعت میں بڑے بڑے علماء بھی ہیں جیسا کہ سابق اس کا کچھ ذکر بھی کیا گیا ہے۔
(۲) یہ کہ مدنی ہمدیت خود بھی ایک بڑا عالم شخص ہے کہ اس کے منہ دوسرا کوئی عالم کوئی چیز ہی نہیں۔

(۳) تیسری حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس مدعی ہمدویت نے یہ علم کسی نامی گرامی عالم سے حاصل نہیں کیا۔ بلکہ اد اہل عمر میں گھر میں کچھ معمولی سی تعلیم اس کی ہوئی تھی اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

(۴) چوتھا امر یہ کہ پنجاب و ہندوستان کے اکثر علماء اس کے اس قدر مخالف ہیں کہ جان تک لینے کو تیار ہیں۔ پھر مجھے یہ خیال آیا کہ مخالف علماء کے خیالات کو بھی دیکھنا چاہیے۔ تاکہ معلوم ہو کہ منصفانہ احقاق حق و ابطالِ باطل کرتے ہیں۔ یا متعصبانہ کلام کرتے ہیں۔ پس جب سنتا کہ کسی عالم معتبر نے کوئی کتاب رسالہ لکھ کر حضرت صاحب کی تردید میں شائع کیا ہے فوراً اس کو شگٹا اور بڑے غور سے اس کو پڑھتا۔ اور حضرت صاحب کی تحریر کے ساتھ مقابلہ کر کے دیکھتا تھا۔ مخالف علماء کے بعض رسالوں کو بڑی جستجو سے گراں قیمت دے کر شگٹا اور بہت ہی بڑی توجہ کے ساتھ غور سے پڑھ کر کیفیت حال دیکھتا تھا۔ بالآخر شکست ہو گیا کہ مخالف علماء کو احقاق حق و تحقیق مطلب منظور نہیں۔ بلکہ عوام الناس کو خروٹ کرنے کے لئے پرانی باتوں کی تائید حتی الامکان مد نظر رکھتے ہیں اور دلائل حقہ قویہ سے مدعی ہمدویت کی باتوں کو نہیں پرکھتے اور خشیت اللہ سے بھی کچھ حفظ نہیں رکھتے۔ بلکہ دنیا طلبی اور دنیوی عزت و آبرو کی محبت اُن پر غالب ہے جیسا کہ گذشتہ زمانے میں تمام بیویوں کے ساتھ معاملہ ہوتا آیا ہے۔ حکما لا یخفی علی اہل الخیرۃ۔

المختصر وہ ساری کارگزاریاں جو اوپر لکھی گئیں۔ خفیہ خفیہ ہوتی رہیں اور لوگوں پر ظاہر نہیں کی جاتی تھیں حتیٰ کہ وکیل دولت خان صاحب پر بھی اس کا اظہار نہ کیا جاتا تھا۔ ان کبھی کبھی بعض مخلص تلامذہ پر بھی خفیہ طور سے کچھ ظاہر کر دیتا تھا اور کبھی حضرت صاحب کی کوئی کتاب پڑھ کر ان کو سمجھا دیتا تھا۔ یہاں تک کہ وکیل صاحب کو میری اس کاروائی کی کچھ کچھ کیفیت معلوم ہو گئی۔ اور جب حضرت صاحب کی بعض کتابیں مجھ سے لے جا کر پڑھنے لگے تب میں بھی ان کو کبھی کبھی کچھ سمجھانے لگا۔ پس انہوں نے بھی سلسلہ حقہ کا کچھ مزہ پایا۔ اور شوق سے سلسلہ کی کتابیں پڑھنے لگے۔ پھر سلسلہ حقہ کے معتقد بن گئے۔ اور خوب معتقد بنے یہاں تک کہ بعض لوگوں کو تبلیغ کرنے لگے۔

قبل میرے احماری ہونے کے ہی ہنگامہ سازی

و جلسہ پرداز ہونے لگی

اگرچہ برہنہ یاریہ میں ہمارے یہاں خفیہ طور پر اجدیت کا چرچا ہوتا تھا پھر بھی بھگوانے آنکا "مشک و خشت را نتوان ہفتن" اطراف و جواب میں اس کی شہرت کسی قدر ہو گئی تھی۔ اور اس راہ سے لوگ میری کچھ نہ کچھ شکایت بھی کرنے لگے تھے۔ اس وجہ سے ایسے ایسے مولوی لوگ جو میرے سامنے آکر کچھ کہنے کی بھی طاقت نہ رکھتے تھے غالباً نہ برا کہنے لگے اور عوام کے سامنے اس راہ سے کچھ ہنسی و تمخر بھی

بھی کرنے لگے یہ حال سُکر وکیل صاحب کو کچھ غصہ سا آگیا تو انہوں نے
 ایک جلسہ قرار دے کر اور تاریخ مقرر کر کے ایک اشتہار اس مضمون کا
 چھپوا دیا۔ کہ جو مولوی صاحبان سلسلہ احمدیہ کے خلاف دلائل محکم رکھتے ہیں
 انہیں چاہیئے کہ اپنے دلائل لے کر جلسہ مذکورہ میں حاضر ہوں انہیں پیش
 کریں۔ الغرض اس اشتہار کے شائع ہوتے ہی اطراف و جواب میں ایک
 دھوم مچ گئی اور ایک طوفان برپا ہو گیا۔ لوگ مولویوں کو کہنے لگے کہ آپ
 لوگوں کی جو اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے بڑی بڑی باتیں کیا کرتے
 ہیں اس جلسہ میں جانے پر کیفیت حال معلوم ہوگی آپ لوگوں کو اس
 جلسہ میں ضرور جانا چاہیئے۔ مخالف مولویوں میں میرا ایک سخت دشمن
 مولوی سعد اللہ نامی تھا اس نے اپنے بھتیجے کو جس کا نام مولوی شمس الہدیٰ
 تھا اور اس وقت وہ کلکتہ ہائیکورٹ میں وکیل تھا بہت زور کے ساتھ
 لکھا کہ اس نے (یعنی خاکسار نے) یہاں ایک جلسہ مباحثہ قرار دیا ہے
 اگر اس میں نہ جاؤں تو عوام میں میری خفت ہوگی اور اگر جاؤں تو اس
 سے (یعنی خاکسار سے) مقابلہ مشکل ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ ہندوستان
 کے ایک یا دو ایسے بردہرست فاضل مولوی بلا دیں جو اس کو (یعنی خاکسار
 کو) اچھی طرح شکست دے سکیں۔ پس مولوی شمس الہدیٰ نے اپنے چچا
 کی خاطر اس میں بڑی کوشش کی اور جستجو کے بعد دو مولویوں کو بلایا۔ ان
 میں سے ایک تو مولوی عبدالوہاب بہاری خفی تھا۔ اور دوسرا مولوی
 عبداللہ چھپروی جو گردہ اہل حدیث سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ دونوں سلسلہ

کے سخت دشمن تھے۔

المختصر روزِ مقررہ پر دونوں مولوی صاحبان صبح کے وقت ہذریہ سیٹمر برہمن بڑیہ میں وارد ہو گئے۔ اور مولوی ولی اللہ رب رحبڑار کے پاس جو مولوی شمس الہدیٰ کے دوسرے چچا تھے۔ فروکش ہوئے۔ اور وہیں اُن کے کمانے وغیرہ کا انتظام ہوا۔ جلسہ کے اشتہار میں وقت مباحثہ آٹھ بجے دن قرار دیا گیا تھا اور ہم لوگ اسی کے مطابق جلسہ گاہ میں جو بمقام عید گاہ تھی جا پہنچے۔ لیکن مخالف مولوی صاحبان تقریباً ایک بجے وہاں گئے اور ان لوگوں کے جانے کے بعد اس بات پر گفتگو شروع ہوئی کہ بحث کس کس مسئلہ میں ہوگی۔ اور کس ترتیب سے ہوگی۔ جلسہ کے لوگ دو فریق ہو گئے۔ ہماری طرف کے لوگ تو یہی کہتے رہے کہ اشتہار میں جو ترتیب لکھی ہوئی ہے اسی طرح ہو۔ اور مخالف فریق کے لوگ کہتے تھے کہ اشتہار میں لکھی ہوئی ترتیب سے کیا غرض۔ مولانا صاحبان اس وقت جو ترتیب مقرر کریں اسی طرح ہو۔ اس نزاع نے بہت طول کھینچا اور کوئی فریق دوسرے فریق کی بات کو نہیں مانتا تھا۔ آخر شش اس گفتگو ہی میں دن کے تین بجے کے قریب ہو گئے اور صورتِ حال ایسی ہو رہی تھی کہ بحث بالکل نہ ہو۔ اس وقت مولوی عبد الواب بہاری کھڑے ہو کر نہایت افسوس کے ساتھ کہنے لگے کہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ مشقت سفر اٹھا کر تو ہم یہاں پہنچ گئے لیکن ایک بات بھی کہنے کا موقعہ نہیں مل رہا۔ اور یہ محنت بالکل اکارت جا رہی ہے

ہنر تو یہی تھا کہ جس اشتہار کے سبب آپ صاحبان یہاں آئے ہیں۔
اسی کے مطابق بحث شروع کریں۔ یہ سارے جھگڑے تو آپ ہی کی
طرف سے ہو رہے ہیں۔

میں نے دیکھا کہ ہماری طرف کے بعض لوگ بھی چاہتے ہیں کہ وہ مولوی
صاحبان جو اس قدر دھوم دھام سے آئے ہیں۔ ذرا ان سے بھی سن لیں
کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ پس میں نے اجازت دیدی۔ مولوی عبدالوہاب نے
اس کو غنیمت سمجھا اور کھڑے ہو کر تقریر شروع کر دی۔ لیکن جس طرح
غیر احمدی بازاری ملا کیا کرتے ہیں اسی طرح ادھر ادھر کی باتیں کہنے
لگے اور محققانہ طور پر کوئی نکتہ باریک یا تحقیق نامض بیان نہیں کیا
یہاں تک کہ عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر بٹھا کر اتارنے کے لیے سیڑھی
تیار کرنے لگے اور اپنی تقریر کو بہت طول دے دیا یہ حالت دیکھ کر ہماری
طرف کے ایک شخص نے میری طرف مخاطب ہو کر باہستہ کہا معلوم ہوتا
ہے کہ ان لوگوں نے شرارتاً یہ منصوبہ کیا ہے یہ سارا وقت مولوی عبدالوہاب
لے لیویں اور آپ کچھ کہنے نہ پائیں۔ تاکہ بعد کو انہیں یہ کہنے کا موقع مل
سکے۔ کہ کلکتہ سے آئے ہوئے مولویوں کے مقابل برہمن بڑیہ کے مولوی
عبدالواحد صاحب زبان بھی نہ بلا سکے۔ یہ سن کر میں جلد کھڑا ہو گیا اور
باد از بلند اہل علیہ کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔ کہ حضرات کیا آپ آج
صرف اسی طرف کی نہیں گئے یا مجھے بھی کچھ کہنے کا موقع دیں گے۔ یہ سن کر ہر
طرف سے لوگوں نے مولوی عبدالوہاب کو کہنا شروع کیا کہ بس اب آپ اپنی

تقریر ختم کریں اور برہمن بڑیہ کے مولانا صاحب کو کچھ کہنے دیں۔ پس
محبوز امولوی عبدالوہاب بہاری چپ ہو کر بیٹھ گئے۔ اور خاکسار نے
کھڑے ہو کر بڑی تیزی کے ساتھ تقریر شروع کر دی۔ پہلے یہ تمہید اٹھائی
کہ جس وقت سے میں مغربی ہند کے سفر سے اس ملک میں واپس آیا ہوں
کوئی مولوی میرے مقابل کھڑا نہیں ہوا تھا۔ ان دنوں سننے میں آیا تھا
کہ مغربی ہند کے دو زبردست فاضل مولوی آئے ہیں یہ خبر سنکر میں بہت
خوش تھا کہ ایک مدت کے بعد میں اپنے دل کے حوصلے نکالوں گا۔ اور
فاضلانہ گفتگو ہوگی۔ اس وقت ایک شخص نے جو تقریر کی اس سے ظاہر
ہو گیا کہ اس شخص کو علم سے کچھ بھی تعلق نہیں بلکہ اس سے بالکل بے برہ
ہے۔ بازاری ملاشتی جس طرح تقریریں کیا کرتے ہیں اسی طرح اس شخص
نے بھی کی۔ کوئی عالمانہ نکتہ یا کوئی علمی تحقیق بیان نہیں کی۔ جو آیات
قرآنی یا حدیثیں اس شخص نے بیان کیں۔ ان کے معانی بالکل غلط بیان
کئے۔ اب آپ حضرات خاموش بیٹھ کر تھوڑی دیر سنیں میں ایک ایک
آیت اور حدیث تلاوت کر کے ان کے معنی سناتا ہوں۔ اس کے بعد
رب سے پہلے میں نے مسئلہ وفات مسیح اسرائیلی پر کچھ بیان کرنا شروع
کیا۔ اور حیات مسیح کی تردید کرتا گیا۔ میری تقریر کی روانی کو دیکھ کر
مخالفین کے چپکے جھوٹ گئے اور بیٹھ کر سننے کی تاب نہ رہی یہ دیکھ کر
ناچار اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے مولویوں کو ساتھ لے کر جلسہ گاہ سے
چلے جانے لگے۔

عام حاضرین میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ جب ان کے مولوی صاحب لے دعا بیان کیا۔ تب تو ہمارے مولوی صاحب بیٹھ کر سنتے رہے مگر جب ہمارے مولانا صاحب تقریر کرنے لگے تو وہ سب اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے مولویوں کو ساتھ لے کر چلے جاتے ہیں لہذا دوڑو اور انہیں ہرگز جانے نہ دو۔ اس خیال کا پیدا ہونا تھا کہ کئی ہزار آدمیوں نے ان کو معہ ان کے مولویوں کے گھیر لیا۔ اور جانے سے روکا۔ پس مجبور ہو کر وہ لوگ معہ اپنے مولویوں کے جلسہ گاہ میں واپس آ گئے اور بیٹھے کہ میری تقریر سننے لگے۔

یہ وقت نہایت ہی نازک تھا۔ اگر مخالفین کی طرف آدمی زیادہ ہوتے اور جلسہ گاہ سے بزور چلے جانا چاہتے تو اس وقت سخت مار پیٹ تک کی نوبت پہنچ جاتی۔ مگر چونکہ اس طرف آدمی بہت ہی کم تھے اس لئے وہ لوگ بزور چلے جانے کی جرأت نہ کر سکے۔ اور ناچار واپس آ کر بیٹھ گئے المتعجب عصر کی نماز کا وقت تنگ ہونے لگا تو اذان دے دی گئی اور میں نے تقریر ختم کی۔ لوگ جلسہ گاہ سے اٹھ کر ادھر ادھر جانے لگے اور ہمارے مخالفین جلسہ گاہ چھوڑ کر چلے گئے۔ ہمارے احباب بھی نماز عصر وہیں پڑھ کر اپنے اپنے گھر دن کو چلے گئے اور اس دن کا کارروائی اس طرح ختم ہو گئی۔

دوسرے دن دیکھا گیا کہ مخالفین میں بڑی دوڑ دھوپ ہو رہی ہے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک مفید مخالف نے بازار میں جلسہ و دعا

قرار دیا ہے: "ناکہ اس میں مولوی صاحبان سلسلہ احمدیہ کی مذمت بیان کریں اور میری بھی توہین کی جائے۔ لیکن شانِ الہی کہ اس دن صبح کو جلسہ مذکورہ میں جانے سے پہلے بہاری مولوی صاحب نے میرے ایک شاگرد سے میرا مفصل حال دریافت کیا۔ جس قدر اسے معلوم تھا اس نے بیان کر دیا پھر بہاری مولوی صاحب نے اس سے یہ بھی دریافت کیا کہ تمہارے مولوی صاحب کی کوئی تصنیف چھپی ہوئی ہے یا نہیں۔ جس کے جواب میں اس شخص نے بتایا کہ مولانا صاحب کی متعدد تصانیف ہیں۔ اس پر مولوی مذکور نے میری کوئی کتاب دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ اور اس نے رسالہ قبسات الانوار لے جا کر پیش کر دیا۔ اس کو دیکھ کر بہاری مولوی صاحب بالکل متغیر ہو گئے اور میری نسبت کہنے لگے کہ آدمی تو بہت ہی قابل معلوم ہوتے ہیں۔ اس سے قبل بعض راز داروں نے ان کو یہ بھی بتا دیا تھا۔ کہ یہاں کے لوگ بڑے مولوی صاحب کے ایسے معتقد ہیں کہ اگر ان کی نسبت کوئی ناملائم لفظ آپ زبان پر لادیں گے تو یہاں سے عزت لے کر جانا مشکل ہو جائے گا جس کی تصدیق گذشتہ دن کے جلسہ کے حالات سے بھی ہو چکی تھی۔ پس اس وقت سے بہاری مولوی صاحب کو برہمن بڑیہ سے باعزت واپس جانے کی فکر پڑ گئی اور ہر طرح کے حیلے بہانے تلاش کرنے لگے۔

برکیف مولوی صاحبان بازار کے جلسہ میں گئے لیکن دل میں وہی خیال رہا۔ ایک مفسد مولوی نے کہیں سے ایک ایسا فتویٰ بہم پہنچایا

کہ جس میں احمدیوں کی مذمت لکھی ہوئی تھی اور یہ کہ ارادہ کیا کہ تقریروں کے ختم ہو جانے پر بہاری مولوی صاحب اسے پڑھ کر لوگوں کو سنا تیں بازار کا جلسہ تو ہوا اور مولویوں نے تقریریں کیں لیکن کوئی نا ملائم لفظ میرے خلاف زبان پر نہ لاسکے۔ بلکہ بعض اوقات تعریف کرتے رہے۔ جن مفسدوں نے میرے خلاف ان سے کچھ کہنا یا فتویٰ کا اعلان کرنا چاہا تھا وہ ناکام رہے۔ مولویوں کی تقاریر نے ان کی ہمتیں پست کر دیں۔ جس مفسد مولوی نے اس بیہودہ فتویٰ کو عوام میں پیش کرنے کے لئے جیب سے نکالا تھا۔ پھر جیب کے اندر رکھ لیا۔ اور یہ بھی سنا گیا۔ کہ بہاری مولوی صاحب اس جلسہ سے یہی کہہ اٹھے۔ کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ مولوی عبدالواحد صاحب کے مقابل کوئی دوسرا عالم اس علاقہ مشرقی بنگال میں موجود نہیں ہے۔ پس یہاں کے لوگوں سے جس طرح ہو سکے ان کو قادیانی ہونے سے باز رکھیں کیونکہ مہادایہ مولوی صاحب قادیانی ہو گئے تو علاقہ کا علاقہ بالکل بے دین ہو جائیگا

الغرض مولوی صاحبان بازار کے جلسہ سے واپس آنے کے بعد سے اس فکر میں پڑ گئے کہ کسی طرح خاکسار سے ملیں۔ مگر چونکہ اسی طرح چلے آنے میں لوگوں کے بدظن ہو جانے کا خوف تھا اس وجہ سے یہ تدبیر ہونے لگی کہ خاکسار کو کسی طرح مولوی دلی اللہ صاحب سب رجسٹرار کے مکان پر لے جائیں۔ اور اس غرض کے لئے دو شخص تیار ہوئے کہ جس طرح بھی ہوگا مجھے سب رجسٹرار صاحب مذکور کے مکان پر لے جائیں گے۔ اُن

دونوں میں سے ایک تو مائی سکول برہمن بڑیہ کے میڈیاسٹر تھے۔ اور دوسرے صاحب برہمن بڑیہ کے ایک مسلمان تعلقہ دار تھے۔ یہ دونوں میری بڑی منت سماجت کرنے لگے اور بہت کچھ کہہ سُن کر اس بات پر راضی کیا کہ میں دماں چلا جاؤں کیونکہ اس سے پہلے بھی میں کبھی کبھی رب رجسٹرار صاحب کے مکان پر جا یا کرتا تھا اور وہ مولوی صاحبان بھی جو کلکتہ سے آئے تھے مجھ سے ملنے کے لئے بہت مشتاق تھے۔ مولوی صاحبان خود ہی میرے پاس آتے۔ لیکن برہمن بڑیہ کے عوام کی چمپگوبوں کے خیال سے رکتے تھے۔

المختصر میں ان کے ساتھ مولوی دلی اللہ صاحب کے مکان کی طرف روانہ ہوا۔ اور اس سے پہلے کہ میں دماں پہنچوں مولوی دلی اللہ صاحب خود چیل کر اثنائے راہ میں مجھ سے اُٹے اور تعظیم کے ساتھ مجھے لے گئے دماں میں نے دیکھا کہ جو مولوی صاحبان بیردنجات سے تشریف لائے تھے وہ بیٹھے ہیں اور ان میں مولوی حسن علی نامی ایک شریر شخص بھی جو ہماری مولوی عبدالوہاب کا شاگرد کہلاتا تھا بیٹھا ہے۔ اور اِدھر ادھر موضع شہباز پور وغیرہ کے شریر النفس اشخاص جمع ہیں۔ میرے پہنچتے ہی مولوی عبدالوہاب ہماری بڑے تپاک سے اُٹھ کر مجھ سے ملا۔ اور ایک کرسی جو پہلے سے دماں رکھی ہوئی تھی۔ میری طرف بڑھادی جس پر میں بیٹھ گیا اور مولوی عبدالوہاب سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

مولوی صاحب! آپ کو معلوم کہ میں آپ لوگوں کو کیوں بلایا گیا ہے

مولوی مذکور نے نفی میں اس کا جواب دیا۔ تب میں نے کہا کہ آپ کو اس واسطے بلایا گیا ہے کہ آپ میرا مقابلہ کریں۔ کیونکہ یہاں کے مولوی میرے مقابل میں نہ ٹھہر سکے۔ مگر آپ کو واضح رہے کہ کوہ ہمالہ کے اس طرف اس دقت کوئی ایسا مولوی نہیں ہے کہ جو اگر عبد الواحد کو شکست دے جائے۔ ہاں تبادلہ خیالات کا سلسلہ مہینوں چل سکتا ہے۔ آج کل کے جتنے بڑے بڑے علماء ہند ہیں ان میں سے اکثر میرے ہم سبق رہ چکے ہیں۔ اور اساتذہ کے ہم عصر جتنے علماء تھے سب فوت ہو چکے اس دقت ہندوستان کے مختلف علاقوں میں جو علماء موجود ہیں ان میں سے ہر ایک کے متعلق مجھے پوری واقفیت ہے کہ ان کا مبلغ علم کیا ہے۔

مولانا محمد عبدالحی صاحب لکھنؤی کے متعدد خطوط میرے پاس اس وقت بھی موجود ہیں ان کو دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ میرے متعلق کیا خیال رکھتے تھے۔ میری یہ باتیں سنکر مولوی عبد الوہاب بہاری مجھ سے دریافت کرنے لگے کہ مولانا عبدالحی صاحب سے میری کس کی ملاقات تھی اس پر میں نے انہیں بتایا کہ میں تو انہیں کاشاگرد ہوں۔ وسط ہند میں سوائے ان کے میں نے اور کسی سے نہیں پڑھا۔ یہ سنکر بہاری مولوی صاحب مزید تفتیش کرنے لگے اور کہنے لگے۔ مولانا عبدالحی صاحب کے درگاہ بمقام لکھنؤ آپ کس دقت تشریف رکھتے تھے۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں اسی زمانہ میں دہلی تھا۔ جب مولوی عین القضاۃ صاحب اور مولوی ابوالحسن صاحب مولانا مرحوم سے پڑھتے تھے۔ تب تو وہ میری طرف کسی قدر

غور سے دیکھ کر کہنے لگے کہ میں نے بھی آپ کو دلوں دیکھا تھا۔ ان کے اس کہنے پر میں نے بھی جو بغور ان کی طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ میں نے بھی انہیں لکھنؤ میں دیکھا تھا۔ پس ہم دونوں میں تعارف ہو گیا۔ اور مولوی عبدالوہاب بہاری بڑے اعلاص کے ساتھ مجھ سے ملے۔ چونکہ تعلیم کے زمانہ میں وہ مجھ سے نیچے کی جماعت میں پڑھتے تھے اس وجہ سے وہ کبھی کبھی میرے پاس آکر اپنا سبق یاد کرتے تھے۔ اس کا بھی انہیں خیال آ گیا۔ ان وجہ سے وہ میرے خیر اندیشوں میں سے ہو گئے۔ اور جب یہ بات میرے دوستوں میں مشہور ہو گئی کہ کلکتہ سے جو دو مولوی آئے ہیں وہ میری شاگردی کا اقرار کرتے ہیں تو وہ بہت ہی خوش ہوئے۔

غرض کہ مولوی عبدالوہاب نے اپنے اس شریہ شاگرد کو جو مولوی حسن علی کے نام سے مشہور تھا اور اکثر دیہاتوں میں میری مخالفت کیا کرتا تھا تشریف لائی کے ساتھ مخاطب کیا اور کہا حسن علی تم مولوی عبدالواحد صاحب کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے ہو یا نہیں چونکہ مولوی حسن علی مذکور کبھی بھی میرے پاس نہ آیا تھا اور میری مخالفت کیا کرتا تھا اس وجہ سے وہ کچھ جواب نہ دے سکا۔ اور خاموش رہا۔ اس وقت میں نے بتایا کہ بھلا وہ میرے پاس کیوں آنے لگا۔ وہ تو آپ کی تعلیم کے اثر سے جاہلوں میں بیٹھ کر میری شکات کیا کرتا ہے۔

یہ سن کر مولوی عبدالوہاب آگ بگولا ہو گئے اور حسن علی سے بڑے غیظ و غضب کے ساتھ کہنے لگے۔ کہ کیا واقعی تم ایسا کرتے ہو۔ اگر جی

تو اٹھ کر مولوی عبدالواحد صاحب سے معافی طلب کر دے۔ یہ سن کر مولوی حسن علی تو ہنگاماً بھاگتا ہو کر رہ گیا۔ اور ناچار دست بستہ ہو کر مجھ سے معافی کا خواستگار ہوا۔ میں نے اپنے اہل خانہ سے اس کو مٹھا دیا۔ اور کہا کہ اس کی ضرورت نہیں۔ لیکن بات یہ ہے کہ تم کو مناسب نہ تھا کہ ہم سب سے ایسی بدسلوکی کرتے۔ اگر تم ہم سے حسن سلوک کا برتاؤ کرو گے تو تمہاری آنے والی نسلیں بھی تم سے نیک سلوک کریں گی۔ اور اگر ہم سے بدسلوکی کرو گے تو اپنی آئندہ نسل کے بھی بھلائی کی اُمید نہ رکھنا۔ تمہیں تو یہ چاہیے تھا کہ ہمارے پاس جو علی دلت ہے وہ ہم سے حاصل کر کے رکھتے۔ کیونکہ ایک ایسا وقت آئے گا کہ ہم نہ ہوں گے اور تم علم کے لئے ترسو گے۔ اور ہمیں یاد کر دو گے۔

الغرض میں نے اسی قسم کی نصیحت آمیز باتوں پر اپنے کلام کو ختم کیا اور دیکھا کہ سامعین جو شہباز پور کے لوگ مع مولوی عبدالواحد اور ان کے ہمراہیوں کا انتظار کر رہے ہیں کیونکہ انہوں نے ان کی دعوت کی تھی۔ پس بہاری مولوی صاحب اور مولوی عبداللہ چھپروی مقام شہباز پور کو روانہ ہوئے اور میں بھی ان سے رخصت ہو کر اپنے گھر چلا آیا یہاں تک دوسرے دن کی کارروائی ختم ہوئی۔

تبسرا دن :- معلوم ہوا کہ آج دوپہر تک بہاری مولوی صاحب اور ان کے ہمراہی شہباز پور سے برہمن بڑیہ واپس آجائیں گے اور اپنے کسی پرستار کے گھر دعوت کھا کر کلکتہ کی طرف روانہ ہو جائیں گے

اس دعوت کرنے والے شخص نے مجھ کو بھی دعوت دی تھی۔ لیکن چونکہ شہباز پور سے مولوی صاحبان کی داپسی میں دیر ہوئی اس وجہ سے میں نے اپنے گھر ہی میں کھانا کھا لیا۔ اور اس دعوت میں نہ جاسکا۔ آخر شہباز پور سے مولوی صاحب اور ان کے ہمراہی مولوی عبداللہ چھپر دی بڑی دیر کے بعد شہباز پور سے واپس آئے۔ اور دعوت کا کھانا کھا کر سٹیئر گھاٹ پر چلے گئے۔ تاکہ اسٹیئر پر سوار ہو کر کلکتہ کی طرف روانہ ہو جائیں اتفاقاً میں بھی کسی ضروری کام کے لئے اسٹیئر گھاٹ پر چلا گیا۔ اور وہاں مولوی صاحبان سے ملاقات ہو گئی۔ بہت دیر تک ان سے بات چیت ہوتی رہی۔ آخر میں ان کی دعوت بھی کر دی اور کہا کہ آج میرے ہاں قیام کر کے کل کلکتہ کی طرف روانہ ہو جائیے گا۔ لیکن شہباز پور سے مولوی صاحب نے یہ عذر پیش کیا کہ فلاں دن میرے ایک مقدمہ کی تاریخ مقرر ہے۔ اگر آج یہاں سے نہ روانہ ہو جاؤں۔ تو تاریخ مقررہ تک وہاں نہیں پہنچ سکتا۔ اس سے میرا تقریباً ایک ہزار روپیہ کا نقصان ہو جائے گا۔ اس مرتبہ آپ معاف فرمائیں کسی اور موقع پر جتنے دن آپ چاہیں گے آپ کے یہاں ٹھہر دوں گا۔ پھر میں نے زیادہ اصرار نہ کیا۔ اور وہ لوگ اسٹیئر پر سوار ہو کر کلکتہ کی طرف روانہ ہو گئے لیکن رخصت ہوتے وقت دونوں مولوی صاحبان نے مجھ سے اقرار کیا تھا کہ بہن بڑی سے جانے کے بعد سلسلہ احمدیہ کی نسبت مجھ سے عطا و کتاب ضرور کریں گے۔ اور جو اعتراضات ہوں۔ ان سے مجھے مطلع کریں گے

اور جس قدر عمدہ رسالے اس سلسلہ کے خلاف میں مل سکیں۔ وہ مجھے قیمتی غنائت کریں گے۔ لیکن یہاں سے جانے کے بعد بہاری مولوی صاحب نے تو ایک نکرہ کاغذ کا بھی میرے پاس نہ بھیجا اور مولوی عبداللہ چھپروی کو چند روز تک کچھ خط و کتابت کرتے رہے لیکن چونکہ ان کے خطوط میں صرف متعبدانہ جھگڑا ہوتا تھا۔ اور عالمانہ اور منصفانہ بات نہ ہوتی بلکہ ثناء اللہ کے رنگ میں تحقیر کرتا تھا اس وجہ سے میں نے اس سے خط و کتابت ترک کر دی۔ واللہ المعین یہاں تک تیرے دن کی کارروائی ختم ہوئی۔ واللہ اعلم۔

المختصر اس جنگ و جدل کے بعد بھی میں سلسلہ احمدیہ کی تحقیق حتی الامکان کرتا رہا۔ اور جب سنتا کہ کسی مخالفت نے کوئی کتاب یا رسالہ سلسلہ احمدیہ کے خلاف لکھا ہے یا کسی احمدی عالم نے سلسلہ کی تائید میں کوئی رسالہ چھپوایا ہے اس کو منگنا۔ خور سے پڑھتا اور دلائل کو جانچتا تھا قادیان کے اخبار ”الحکم“ اور ”البدر“ بھی میرے نام جاری تھے۔ مولوی ثناء اللہ امرتسری کے اخبار ”المحدث“ کے پرچے بھی کبھی کبھی منگالیتا تھا مجھ میں طرفداری بالکل نہ تھی۔ کیونکہ میں بالکل نہ جانتا تھا کہ قادیان بھی کوئی مقام ہے اور اس میں مرزا غلام احمد صاحب بھی کوئی شخص ہیں۔ مگر صرف خشیت الہی سے اس قسم کی تحقیق و تفتیش میں مصروف تھا صرف یہی خیال تھا کہ اگر فی الواقع یہ شخص اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو پروردگار عالم کے حضور جب مانا ہوگا تو کیا جواب دوں گا۔ اسی خوف سے میری حالت تھی

کہ کسی قسم کی کوشش تحقیق و تفتیش کی میں نے باقی نہ چھوڑی تنہا بیٹھ کر بھی ہیں
 اس بارہ میں غور و فکر کرتا۔ استخارہ وغیرہ بھی کرنا۔ اگرچہ میں درپردہ تحقیق
 و تفتیش میں لگا تھا پھر بھی میری شکایت اطراف و جوانب میں پھیلنے لگی۔
 شریروں تو کچھ نہ کر سکتے تھے لیکن ہر سال عیدین کے موقع پر میری
 شکایت کرتے پھرتے اور اشرار و نابکار لوگوں کو مجھ سے بدظن کرتے تاکہ
 میں عید گاہ میں عید کی نماز میں امامت نہ کر سکوں حالانکہ میں ہی عیدین
 کی نمازیں پڑھایا کرتا تھا۔ لیکن ان کی شرارت ہمیشہ ناکام رہتی کیونکہ
 عین وقت پر جب میں عید گاہ میں پہنچ جاتا تو سب شر و فساد ٹھنڈا
 ہو جاتا۔ اور اشرار ناکام رہ جاتے۔ چنانچہ کئی سال تک یہی حال رہا
 اور میں شریروں کا حال دیکھتا اور صبر کرتا رہا کہ اللہ تعالیٰ بہتر ہی کرے گا
 اسی دوران میں جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کی خبر سننے
 میں آئی تو میں بہت گھبرا گیا کیونکہ بہت سی پیشگوئیاں متوقع الوقوع
 باقی تھیں اور میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ مخالفین کو کیا جواب دوں گا۔
 لیکن ان ہی دنوں قادیان سے شائع شدہ رسالوں کے مضامین نے
 میری بہت کچھ تشفی کو دی اور کوئی شک و شبہ باقی نہ رہا۔

بیان سفر ہندوستان و پنجاب

اور اکابر علماء سے گفتگو و بحث

اگرچہ سلسلہ احمدیہ کی حقیقت مجھ پر کھل گئی تھی اور اس میں تشفی و خاطر و شرجِ صدر بھی حاصل ہو گیا تھا تاہم چونکہ بنگالہ کے اکثر خاص و عام کہا کرتے تھے کہ ہندوستان و پنجاب کے اکثر نامی گرامی علماء اس طریقہ سے نفرت کرتے ہیں۔ بلکہ اس کا نام بھی سننا گوارا نہیں کرتے۔ اس لئے میرے دل میں اکثر یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ شاید ان علماء کی تحقیق میں کوئی وجہِ دقیق اس طریقہ کے بطلان پر حاصل ہوئی ہو تو جب تک بالمشافہ ان علماء سے اس طریقہ کے بارے میں گفتگو نہ کر لوں۔ ہرگز اس طریقہ میں داخل نہ ہوں گا۔ اور بعض اوقات یہ بھی خیال آتا تھا کہ قادیان میں جو لوگ حضرت مرزا صاحب کی صحبت میں رہے ہوئے ہیں۔ ان کی عملی حالت اور روحانی کیفیت بھی مجھ پر خود دیکھ لینی چاہیئے کہ کیسی ہے تاکہ ہر طرح اطمینان و تسکین خاطر حاصل ہو جائے۔ پس میرے احمدی ہونے میں مذکورہ بالا دونوں باتیں حائل تھیں۔ اور دونوں ایک سفر دراز کو چاہتی تھیں۔ میں ہر سال امداد کرتا تھا کہ اس جبینہ کی تعطیل میں وہ سفر کروں۔ لیکن تعطیل کے شروع ہونے سے پہلے ہی میری طبیعت خراب ہو جاتی تھی۔ اور میں بیمار ہو جاتا تھا۔ لیکن ۱۹۱۷ء عیسوی کے اکتوبر

میں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے مجھے اس سفر کی توفیق عطا کی اور میری طبیعت بھی بفضلہ تلے اچھی رہی۔ بعون الہی خاکسار مندرجہ ذیل تین دوستوں کو ساتھ لے کر عازم سفر ہوا۔ (۱) مولوی امداد علی (۲) قاری دلاور علی (۳) دھانوشی۔ اول ہم لوگ مقام برہن بڑیہ سے روانہ ہو کر شہر کلکتہ پہنچے۔ چونکہ سنا گیا تھا کہ مولانا شبلی نعمانی اس وقت لکھنؤ میں ہیں۔ اس لئے کلکتہ سے روانہ ہو کر پہلے لکھنؤ گیا۔ اور وہاں مرزا اکبر الدین احمد صاحب سیکرٹری انجمن احمدیہ لکھنؤ کے مکان پر فرکش ہوا۔ اگرچہ مرزا صاحب اپنی ملازمت پر گئے ہوئے تھے اور گھر میں موجود نہ تھے۔ پھر بھی ان کے بھائی صاحب بہت ہی خاطر و تواضع کے ساتھ پیش آئے۔ میسرے پر کوئیں نے ان کو بتایا کہ میری اصل غرض لکھنؤ آنے کی یہ ہے کہ مولانا شبلی صاحب سے مل کر تخلیہ میں کچھ باتیں کروں اس کے لئے کون سا وقت موزن ہوگا۔ یہ سنکر انہوں نے اپنی انجمن احمدیہ کا ایک مطبوعہ فارم نکال کر مولانا شبلی کے نام ایک خط لکھا کہ بنگال سے ایک عالم ہمارے یہاں تشریف لائے ہیں اور جناب سے ملاقات کے خواہشمند ہیں براہ عنایت مطلع فرمائیے کہ جناب سے ملنے کا کون سا وقت موزن ہوگا۔ یہ خط جب لکھا جا چکا تو میرے دل میں خیال گذرا کہ یہ لوگ یہاں قادیانی مشہور ہیں۔ پس اگر میں ان کے ذریعہ سے مولانا شبلی سے ملنے گیا تو وہ ہرگز شرع صدر کے ساتھ مجھ سے نہ ملیں گے۔ اور یہ بات میں نے مرزا اکبر الدین صاحب کے برادر عزیز پر

ظاہر کی اور کہا کہ صرف ایک راہبر میرے ساتھ کر دیں۔ تاکہ مولانا شبلی کا گھر مجھے دکھا کر چلا آدے۔ میں خود ان سے حسب دلخواہ ملنے کی تدبیر کر لوں گا۔ پس انہوں نے بھی اس تجویز کو پسند کیا۔ اور ایک نوجوان کو جو شاید ان کا بھانجہ تھا میرے ساتھ کر دیا۔ وہ میرے ہمراہ مولانا شبلی صاحب کے مکان تک گیا اور مجھے جگہ دکھا کر چلا آیا۔ میں نے آگے بڑھ کر دیکھا کہ مولانا کے دروازے پر سائن بورڈ پر لکھا ہوا ہے کہ جو صاحب مجھ سے ملاقات کرنا چاہیں وہ چار بجے کے بعد تشریف لادیں "اتفاقاً اس وقت چار ہی بجے تھے پس میں مولوی امداد علی کو ساتھ لئے ہوئے جو میرے ہمراہ تھے مولانا شبلی کے حجرہ میں جا پہنچا۔ دہاں دیکھا کہ مولانا میرے حسب دلخواہ تنہا بیٹھے ہوئے ہیں۔ مخفی نہ رہے کہ مولانا شبلی صاحب سے تنہائی میں ملنے کی وجہ یہ تھی کہ سابق میں جب وہ علی گڑھ کالج کے غزنی پرفیسر تھے اس وقت میں ان کے پاس ایک جوابی پوسٹ کارڈ میں یہ سوال لکھ بھیجا تھا کہ اس وقت عیسیٰ علیہ السلام کے حیات و وفات کے بارہ میں علماء کے درمیان سخت اختلاف ہے پس اس کے متعلق جناب کی کیا رائے ہے۔ بیٹنوا تو جروا؟ انہوں نے اس کے جواب میں اس طرح کی عبارت لکھی تھی۔ قرآن کریم سے بظاہر تو عیسیٰ علیہ السلام کا وفات پانا ہی معلوم ہوتا ہے لیکن ہمارے علماء کا مذہب یہ ہے کہ وہ آسمان پر زندہ ہیں اور قریب قیامت کے وہ پھر دنیا میں نازل ہوں گے۔ انتہی۔ ناظرین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ سوال و جواب میں کس قدر بُعد ہے۔

اور اصل سوال جو ان کی رائے کے متعلق تھا۔ لوگوں کے خوف سے اس کا جواب انہوں نے نہ دیا۔ جب یہی بات میں نے اُن سے بالمشافہ پوچھی تو انہوں نے کچھ اور ہی جواب دیا جیسا کہ عنقریب عرض کروں گا علاوہ اس کے میں نے بعض لوگوں کی زبانی سنا تھا کہ مولانا شبلی صاحب اس مسئلے یعنی وفاتِ مسیح میں احمدیوں کے موافق ہیں اور لوگوں کے خوف سے اقرار نہیں کرتے۔ اسی لئے میں نے ان سے تخلیہ میں ملنے کا انتظام کیا تھا تاکہ وہ اقرار کرنے میں خوف نہ کریں۔ لیکن انہوں نے اقرار نہ کیا۔ کیونکہ کرتے۔ کیونکہ جس کے دل میں خدا کا خوف نہ ہو اور صرف انسانوں کا ڈر ہو۔ ایسے شخص سے حق کا علانیہ اقرار کرنا بہت مشکل ہے۔

مکالمہ با مولانا شبلی نعمانی

الغرض مولانا شبلی صاحب کو ان کی نشست گاہ میں تنہا پا کر میں بہت خوش ہوا۔ اور سمجھا کہ شاید وہ حق کا اقرار کر لیں گے۔ کہ واقعی حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں۔ خاکسار نے ان کے سامنے کہا کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ عرض کیا۔ جس کے جواب میں انہوں نے وعلیکم السلام کہا۔ اور بیٹھنے کی تو اصرار کی۔ ایک سوچ پر جو وہاں بھیجی ہوئی تھی بیٹھنے کے لئے کہا اور میرے بیٹھے جانے کے بعد دریافت کرتے رہے۔ کہ وطن کہاں ہے اور کیا مشغل رکھتا ہوں۔ میں نے اپنا نام بتایا اور کہا کہ بندے کا مکان جس حصہ ملک میں ہے وہاں جناب

کا سا عالم میسر نہیں۔ پس اگر جناب اجازت دیں تو بندہ اپنے بعض شبہات عرض کرے۔ تا اس کا حل ہو جاوے۔ مولوی صاحب نے اجازت دے دی۔ تب خاکسار نے پوچھا کہ قادیانی عقائد کے بارے میں جناب کی کیا تحقیق ہے۔ مولوی شبلی صاحب نے فرمایا کہ مذاہب باطلہ میں سے ہے اور یہی اکثر علماء وقت کی رائے ہے۔ پس میں نے کہا کہ جناب نے کبھی اس مذہب کی تردید میں کچھ تحریر بھی فرمایا۔ یا نہیں؟ جس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ نہیں۔ میں نے اس بارہ میں کبھی کچھ نہیں لکھا۔ پھر خاکسار نے کہا کہ لکھنا تو ضرور چاہیے تھا۔ آخر کیوں نہیں لکھا۔ مولانا نے جواب دیا کہ میں نے تجربہ کیا ہے کہ جب کبھی کسی باطل مذہب کی تردید کی جاتی ہے تو وہ مذہب اور بڑھتا ہے اور اگر خاموشی اختیار کی جاوے تو از خود بتدریج مٹ جاتا ہے۔ چنانچہ میں نے تاریخ طبری میں پڑھا ہے کہ بغداد میں شیعوں اور سُنیوں کے درمیان بڑا جھگڑا تھا۔ سُنی جت مکشیوں کو دبانے کی غرض سے ان پر حملے کرتے رہے شیعہ اور ترقی کرتے جاتے تھے۔ اور جب سُنیوں نے سکوت اختیار کیا۔ تب سے شیعہ از خود کمزور ہونے لگے اور ان میں تنزل شروع ہو گیا۔

خاکسار نے کہا کہ جناب کی تقریر سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء سلف نے مذاہب باطلہ کی تردید میں جو کتا ہیں لکھی ہیں وہ بیجا تکفیر غلاوہ بریں میں نے صواعقِ محرقة کے آغاز میں دو حدیثیں دیکھی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِذَا ظَهَرَ الْفِتْنُ اَوْ قَالَ

البدع و سب اصحابی فلیظهر العالم علماء فمن لم يفعل
 ذلک فعليه لعنة الله والملائکته والناس اجمعین لا
 یقبل الله منه فرضاً ولا عدلاً؟ یعنی آنحضرت صلعم نے فرمایا۔
 جب ظاہر ہوں فتنے یا فرمایا بدعتیں اور گالی دینا میرے اصحاب کو پس
 چاہیجے کہ ظاہر کرے عالم اپنے علم کو اس پر۔ پس جس نے نہ کیا یہ پس ادھر
 اس کے لعنت اللہ تعالیٰ کی ہے اور فرشتوں کی اور آدمیوں کی نہ قبول
 کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے عبادات کو نہ نفل نہ فرض۔ انتہی۔ اور اگر فرض
 جناب کی دلیل کو تسلیم بھی کر لیا جاوے تب بھی چپ رہنا اس وقت
 مفید ہوتا جب جناب تمام علماء ہند کو اپنے ساتھ متفق کر لیتے۔ اور رب
 کے رب خاموش رہتے اور بغیر اس کے فقط جناب کے چپ رہنے سے کیا
 فائدہ ہوگا جبکہ ہمیشہ ہر طرف سے زبرد کی دھوم مچ رہی ہے جو عیاں
 ہے۔ میری یہ دلیل سن کر مولانا شبلی صاحب نے خاموشی اختیار کر لی۔
 اور اتنی دیر تک سکوت میں رہے کہ جب پھر جواب کی امید باقی نہ رہی۔
 تو خاکسار نے دوسری بات پوچھی۔ جو یہ تھی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام
 کے حیات و وفات کے متعلق عام علماء میں بڑا اختلاف ہے۔ اور
 احمدی عقائد کے لوگ شد و مد کے ساتھ وفات عیسیٰ علیہ السلام ثابت
 کرتے ہیں۔ جس کا جواب دینا مشکل ہو رہا ہے۔ جناب کی تحقیق اس بارہ
 میں کیا ہے؟ مولانا نے فرمایا کہ اس کے متعلق کوئی یقینی بات نہیں کی
 جا سکتی۔ کیونکہ ادھر بات تو 'وما قتلوه و ما صلیبوه' ہے یعنی

یہودیوں نے نہ تو حضرت عیسیٰ کو قتل کیا اور نہ ان کو صلیب دیا اور اُدھر
 فلما تو قیتنی كنت انت الرقيب عليهم بھی ہے یعنی جبکہ
 وفات دے دی تو نے مجھ کو اے پروردگار میرے فقط تو ہی نگہبان رہا
 اوپر ان کے معنی نصاریٰ کے۔ انتہی۔

خاکسار نے کہا کہ اسی عقیدہ کو ٹھیک کرنے کے لئے اس قدر دور سے
 جناب کے پاس آیا۔ اب جب جناب بھی فرماتے ہیں کہ کچھ ٹھیک نہیں
 کہا جاسکتا تو آپ فرمائیے کہ اس کے لئے کہاں اور کس کے پاس جاؤں؟
 اس پر مولانا نے فرمایا کہ کیا یہ ضروری ہے کہ شریعت کے ہر ایک مسئلہ
 کو ٹھیک کر لیا جاوے۔ چنانچہ استوٰی علی العرش کے مسئلے میں
 حضرت امام مالک صاحب فرماتے ہیں الاستواء معلومہ والکیفیت
 مجهول والسوال عنه بدعة والایمان بہ واجب۔ یعنی
 استواء کے معنی سب کو معلوم ہیں اور کیفیت اس کی مجہول ہے یعنی
 نامعلوم اور سوال کرنا اس سے بدعت ہے اور ایمان لانا ساتھ اس کے
 واجب ہے۔ انتہی۔

پس خاکسار نے کہا کہ استواء علی العرش صفات باری تعالیٰ
 میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات کے ساتھ بے چون و
 بے چگون ہے۔ پس اگر استواء علی العرش کے بارے میں کہا جاوے
 کہ ہم اس کی کیفیت نہیں جانتے تو بے شک بجا ہے اور حضرت عیسیٰ
 علیہ السلام اگرچہ ایک نبی جلیل القدر تھے مگر جنس بشر سے تھے۔

اور بشر کے لئے حیات و وفات ایک معمولی امر ہے پس یہ مسئلہ نظیر استواء
 علی العرش کی نہیں ہو سکتی۔ اس پر بھی مولانا شبلی صاحب سکوت کر گئے
 اور اس قدر دیر تک سکوت میں رہے کہ جب جواب کی امید باقی نہ رہی
 تو پھر خاکسار نے بعد توقف بسیار کے تیسری بات پوچھی۔ جو یہ تھی۔ کہ
 نزولِ مسیح کی حدیث تو صحیح بخاری میں بھی ہے جس کو اصح الکتاب بعد
 کتاب اللہ کہا جاتا ہے اس میں لفظ نزول کے کیا معنی ہیں خصوصاً بعد
 ثبوت وفاتِ مسیح کے اور احمدی لوگ تو وفاتِ مسیح ثابت کرنے کے
 بعد ہی اس کو پیش کرتے ہیں جس کا جواب دینا بہت مشکل ہوتا ہے۔
 مولانا شبلی صاحب نے جواب دیا کہ یہ سب حدیثیں اخبارِ احاد سے ہیں
 جو یقینی نہیں ہیں خاکسار نے کہا کہ اکثر حدیثیں تو اخبارِ احاد ہی میں سے
 ہیں۔ متواتر کہاں ہیں اور ہیں بھی تو بہت ہی کم قطع نظر اس کے اخبارِ
 احاد کے بھی تو معنی ہوتے ہیں جعلی تو نہیں ہیں اور کلام تو معنی ہی
 میں ہے مفید یقین و مفید ظن ہونے میں تو نہیں ہے اس پر بھی مولانا
 شبلی نے سکوت فرمایا اور یہ تیسرا سکوت محض مخفی نہ رہے کہ ان
 سکوتوں پر خاکسار مولوی شبلی کی مدح و ستائش ہی کرتا ہے کیونکہ
 عالم کی شان ایسی ہی ہونی چاہیے۔ کہ جس امر میں جواب معقول کی
 راہ معقول نہ ہو سکوت اختیار کرے اور اب تو نا اہلوں کا زمانہ آپڑا
 ہے کہ سکوت کرنے کو موجبِ ننگ و عار سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگ اس مثل
 کے مصداق ہیں۔ ملا آں با شد کہ چپ نشود۔ دانشمند حقیقت رس

لوگ سمجھتے ہیں کہ ایسے موقعوں پر سکوت نہ کرنا موجب ننگ و عار ہے۔

مکالمہ بامولوی عبداللہ صاحب ٹونکی

مولانا شبلی صاحب سے بائیں ہو ہی رہی تھیں کہ یکایک ایک شخص معمر و معمم آگئے جن کو میں نے ان کی صورت سے نہ پہچانا۔ اسی عرصہ میں اور بھی دس بارہ آدمی باہر سے آکر فرش زمین پر بیٹھ گئے۔ چونکہ مولانا شبلی صاحب نے اس ادل شخص کو بہت اعزاز کے ساتھ بٹھایا اس وجہ سے میں نے سمجھا کہ یہ شخص یہاں کا کوئی معزز مولوی ہے پس جب میں نے ان بزرگ سے ان کا اسم گرامی و دولت خانہ دریافت کیا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ ”ٹونک“ اس پر میں نے کہا کہ وہی ٹونک نا جو ایک چھوٹی سی اسلامی ریارت ہے۔ میری طرف سے یہ تفتیش سنکر انہوں نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ کسی قدر شر و سے ہو گئے۔ جس کی وجہ میں نے کچھ نہ سمجھی یہاں تک گفتگو ہوئی کہ اُن دس بارہ آدمیوں میں سے ایک شخص جو نیم مولوی سا نظر آتا تھا کھڑا ہو کر ادب سے کہنے لگا کہ آپ کے مخاطب مولیٰنا مفتی محمد عبداللہ صاحب ٹونکی ہیں یہ سنکر میں پھر ک اٹھا اور اُن سے مصافحہ کر کے کہا کہ آپ تو اس وقت میرے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہیں کیونکہ خاکسار آپ کا نام نامی بہت دنوں سے سنتا رہا اور آپ کی ملاقات کا بڑا اشتیاق رکھتا تھا۔ آپ کے لکھنؤ میں مل جانے کا مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا۔ مفتی صاحب ممدوح نے بھی میرا حال دریافت کیا۔

میں نے انہیں بھی وہی جواب دیا۔ جیسا مولانا شبلی صاحب کو دیا تھا اور چند شبہات کے پیش کرنے کی اجازت طلب کی۔ لیکن میری یہ درخواست سنکر وہ کچھ گھبرا سے گئے اور صاف لفظوں میں اجازت نہ دی۔ اس پر مولانا شبلی صاحب کسی قدر مسکرا کر کہنے لگے کہ مولوی صاحب کو اور تو کچھ پوچھنا نہیں۔ فقط قادیانی مذہب کے متعلق کچھ دریافت کرنا ہے یہ سنکر مفتی ٹونکی صاحب کسی قدر زہر خندی کے ساتھ باہستگی گویا ہوئے کہ قادیانی مذہب کے متعلق کیا پوچھیں گے۔ ان کے اس سوال کو میں نے اجازت پر حمل کر کے کچھ پوچھنا شروع کیا۔ چنانچہ سب سے پہلے میں نے کہا کہ جناب نے قادیانی مذہب کے رد میں کبھی کچھ لکھا ہے۔ انہوں نے کہا: ”نہیں“ میں نے پھر کہا کہ کیوں نہیں لکھا میں نے تو آپ کا دستخط مرزا صاحب کے مخالفین کے بعض بعض فتاویٰ تکفیریہ دیکھا ہے۔ ٹونکی مولوی صاحب نے کہا کہ مجھے مرزا کے مذہب کی تردید لکھنے کی فرصت ہی نہیں ہے۔ مرزا صاحب کے خیالات کی تردید کرنا تو آئے اور بہت سے لوگ ہیں۔ چنانچہ مولوی محمد حسین بیالوی نے بہت کچھ لکھا ہے۔ پہلے تو وہ مرزا صاحب کے مرید تھے پھر مخالف ہو گئے۔ اس پر میں نے کہا۔ میں نے آپ کا لکھا ہوا ایک رسالہ ”حرمتِ غراب“ پر دیکھا ہے اور یہ نہایت تعجب کی بات ہے کیونکہ کوّا کون کھاتا ہے؟ نہ آپ کھاتے ہیں نہ میں کھاتا ہوں اور نہ کوّا کھانے والا کسی کو میں نے دیکھا ہے دیوبندی جو مذہبِ حلیتِ غراب کے بانی مبنی ہیں وہ لوگ بھی نہیں کھاتے

ملہ کوڑے کے حرام ہونے پر

فقط ایک فری بات ہے کہ مذ سے اس پر اڑے ہوئے ہیں۔ اس پر آپ
کو رد لکھنے کی خوب فرصت ملی اور ادھر ہزاروں بلکہ لاکھوں آدمی آپ
جیسے بزرگوں کے فتاویٰ کے مطابق کافر ہو رہے ہیں۔ پھر بھی آپ کو
رد لکھنے کی فرصت نہیں ملتی۔ اس پر ٹوٹکی مولوی صاحب شرمندہ سے
ہو گئے اور دیزنارک سر نیچا کئے کچھ خور کرتے رہے اتنے میں مولانا شبلی
صاحب اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے ملازم کو حکم دیا کہ کمرے کی سب
کھڑکیاں کھول دے۔ اور ہماری طرف مخاطب ہو کر کہا۔ آپ لوگ
اچھی طرح باتیں کر لیں۔ میں باہر جا کر بیٹھتا ہوں اور پھر باہر جا کر
ایک عیار پانی پر جو برآمدہ میں پڑی مفتی بیٹھ گئے۔ اور یوں کہنا چاہے
کہ گویا اپنے عزم ایک اور تسکار میرے لئے چھوڑ کر اپنی جان بچالے
گئے۔ اب میں نے پھر مفتی ٹوٹکی صاحب سے پوچھا کہ اچھا جناب
نبات و وفات عیسیٰ علیہ السلام میں آپ کی کیا رائے ہے اس کا کچھ
جواب نہ دے کر وہ جھٹ بول اٹھے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات
بھی اگر ثابت ہو جاوے تو مرزا صاحب کو اس سے کیا فائدہ۔ اصل
کلام تو ان کی نبوت میں ہے میں نے کہا کہ مرزا صاحب جس قسم کی
نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں اس میں تو میں کچھ قیامت نہیں دیکھتا کیونکہ
ان کا دعویٰ نبوت غیر شرعی و نقلی کا ہے اس کی اعتناء پر کوئی
شرعی دلیل پیش نہیں کی جاتی۔ اور اکابر علمائے کرام نے بھی اس کے
جواز کا اقرار کیا ہے۔ مثلاً شیخ اکبر نے فتوحات مکیہ میں اور امام شرنانی

نے البیواقیۃ والحواہر میں۔ اور ملا علی قاری نے موضوعات کبیر میں۔ اور شیخ محمد طاہر حنفی نے مجمع البحار میں۔ ٹونکی مولوی صاحب نے کہا کہ اس کے امتناع پر قرآن و حدیث میں دلائل قاطعہ موجود ہیں جن سے ہر قسم کی نبوت کا امتناع بعد آنحضرت صلعم کے ثابت ہوتا ہے میں نے کہا کہ اچھا پہلے قرآن کریم سے دیکھا جائے کہ کونسی آیت ایسی ہے جس سے ہر باب قسم کی نبوت کا امتناع بعد آنحضرت صلعم کے ثابت ہوتا ہے۔ انہوں نے یہ مشہور و مذکور آیت پڑھ دی۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ یعنی نہیں ہے محمد باپ کسی کا مردوں سے تمہارے لیکن رسول ہے اللہ کا اور خاتم یعنی ختم ہے نبیوں کا۔ میں نے کہا کہ یہ آیت قرآنی ہی نہیں ہے۔ کے نکاح کے بارے میں ہے انہوں نے کہا اں۔ پس میں نے پوچھا۔ کہ اس آیت میں لفظ لَحْنٌ جو کلمہ استدراک ہے اس کی وجہ استدراک کیا ہے اور لفظ رسول اللہ اور لفظ خاتم النبیین کی غطف کی کیفیت کیا ہے اور یہ دونوں معطوف اور معطوف علیہ مقام مدح میں واقع ہیں یا مقام ذم میں، لیکن ٹونکی مولوی صاحب نے اس سوال کے جواب سے پہلو تہی کی۔ اور صرف لفظ خاتم النبیین کو لے بیٹھے اور خاتم النبیین کو بار بار خاتم النبیین کہتے رہے۔ میں نے کہا کہ حرف ت کو زبر کے ساتھ ادا کیجئے۔ انہوں نے کہا کہ زبر سے بھی آیا ہے اور زیر سے بھی آیا ہے۔ اور دونوں کے ایک ہی معنی ہیں میں نے کہا کہ ہو مگر

آپ جس مصحف مجید میں تلاوت کرتے ہیں اس میں کیا لکھا ہے زیر
 سے یا زیر سے۔ تب انہوں نے بھی تسلیم کیا کہ وہاں زیر سے ہی لکھا ہے
 اور میں نے پوچھا کہ لفظ خاتم کے معنی ختم کے ہیں یا نہیں تو انہوں نے
 اس کو بھی تسلیم کیا۔ اور باوجود ان دونوں اقراروں کے لفظ خاتم
 النبیین کے معنی اخیر نبی کرنے لگے۔ میں نے کہا ان الفاظ کے معنی آپ
 نے جو آخر الانبیاء کئے ہیں اس کی کوئی دوسری نظیر کلام مستند عرب سے
 آپ دکھا سکتے ہیں اس کا تو کچھ جواب انہوں نے نہ دیا اور جھٹک دیا
 کہ حدیث شریف میں تو صاف لائبی بعدی آگیا ہے میں نے کہا کہ
 اس کے آپ کیا معنی کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس کے معنی تو بہت
 ہی واضح ہیں۔ اسم نکرہ تحت میں لائے نفی جنس کے جب واقع ہے تب
 ضرور نفی استغراقی کے معنی ہونگے۔ میں نے کہا کہ احادیث میں اس قسم
 کی ترکیبیں کثرت سے واقع ہیں اور ہر جگہ نفی استغراقی کے معنی بن نہیں
 سکتے۔ چنانچہ ایک حدیث اس طرح مروی ہے کہ لا ایمان لمن
 لا امانة له ولا دين لمن لا عهد له۔ یعنی جس میں امانت
 نہیں اس کا کچھ ایمان نہیں اور جس میں وفائے عہد و پیمان یعنی قول
 قرار نہیں ہے اس کا کوئی دین نہیں ہے۔ اتنی۔

دیکھیے ان دونوں فقروں میں اسم نکرہ تحت میں لائے نفی جنس
 کے واقع ہے اور نفی استغراقی بن نہیں سکتا۔ کیونکہ اگر یہاں نفی
 استغراقی معنی کئے جائیں تو جو شخص امانت بن خیانت کرے۔ اس کو

بے ایمان یعنی کافر اور جو شخص اپنے قول و قرار کو توڑے گا اس کو
 بے دین یعنی کافر کہنا پڑے گا۔ حالانکہ محققین و شراح حدیث اس
 حدیث کے ایسے معنی نہیں کرتے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث
 دہلوی نے بھی حجتہ اللہ البالغہ میں ایسے معنی نہیں کئے بلکہ نفی کمال
 ایمان و نفی کمال دین کے معنی کئے ہیں۔ پس اس کے مطابق اگر حدیث
 لانسبی بعدی کے بھی معنی نفی کمال نبوت کے کئے جاویں تب کچھ
 بھی اشکال باقی نہیں رہتا۔ بلکہ جلتکلف یہ معنی ہوتے ہیں کہ آنحضرت
 صلعم نے فرمایا ہے کہ میرے بعد کوئی کامل نبی جو صاحب کتاب و صاحب
 شریعت و صاحب نبوت مستقل ہو نہیں ہوگا۔ پس اگر آپ کے بعد کوئی
 نبی غیر شرعی اور ظلی شریعت محمدیہ کے ماتحت ہو اور آنحضرت صلعم
 کے کمال اتباع سے نبوت حاصل کرنے والا ہو تو اس کا امتناع اس
 حدیث سے کس طرح ثابت ہو سکتا ہے۔ اور اگر پھر بھی آپ ہند
 کریں اور اس سے آنحضرت صلعم کے بعد نبی کے آنے کا امتناع مطلق
 ثابت کرنا چاہیں تو پہلے آپ امانت میں خیانت کرنے والے کے
 کافر ہونے کا اور عہد شکن کے بالکل بے دین ہونے کا فتویٰ عنایت
 کریں۔ تو پھر دیکھا جائے گا۔ یہ سنکر مفتی صاحب جو اس باختہ ہو گئے۔
 اور وہاں سے اٹھ کر باہر مولانا شبلی صاحب کے پاس جا بیٹھے اور
 جاتے وقت دبی زبان سے یہ بھی کہتے گئے۔ کہ ایسا ہونے سے تو آپ
 رب جو کچھ جی میں آوے کہہ سکیں گے؟

المختصر چونکہ مغرب کی نماز کا وقت بہت قریب تھا اور دونوں مولوی صاحبان بھی فرار کر چکے تھے۔ ہم بھی دہاں سے اُٹھ کر اور مولوی صاحبان مذکورین کے پاس سے گذرتے ہوئے ان کو کچھ کلمات نصیحت آمیز بایں الفاظ کہتے چلے آئے کہ حضرات! آپ لوگ ہم تن دنیا کی طرف مائل ہیں اور دین کی طرف بالکل نظر نہیں کرتے۔ جب فتوے لکھتے ہیں۔ تو عنوان پر لکھتے ہیں۔ چہ فرامید علمائے دین و مفتیان شرع متین الخ۔ علمائے دین کیا ایسے ہی ہونے چاہئیں۔ لوگوں کو خوش کرنے سے اللہ تعالیٰ ہرگز خوش نہ ہوگا۔ دنیا کی یہ عزت و آبرو بالکل بے سود ہے اور دائمی نہیں میرے یہ کلمات سن کر دونوں مولوی صاحبان میرا منہ نکلتے رہ گئے اور ہم رخصت ہو کر چلے آئے۔

دوسرے دن میں فرنگی محل گیا۔ مقصود یہ تھا کہ حضرت مولانا محمد عبدالحی صاحب مرحوم و مغفور کے داماد سے ملوں اور مولانا مرحوم کے گھر کا حال دریافت کروں لیکن وہاں جا کر معلوم ہوا کہ وہ گھر میں نہیں ہیں اور کہیں باہر گئے ہوئے ہیں۔ پس ان کی تلاش میں مولوی عبدالباری صاحب کے یہاں جا پہنچا۔ مولوی عبدالباری صاحب نے اس دن جلاب کی دوا استعمال کی تھی۔ پھر بھی ان سے کچھ باتیں ہوئیں اور وہ بھی میں نے اس غرض سے چھیڑا کہ تا انہیں معلوم ہو جائے۔ فقط اس بات کی بناء پر کہ ان کو معلوم ہو کہ میں بھی حضرت مولانا محمد عبدالحی صاحب مرحوم و مغفور کے شاگردوں میں سے ہوں۔ مولوی عبدالباری صاحب بات بات

میں مجھے کہتے کہ مولوی صاحب آپ معقول آدمی ہیں۔ حالانکہ میں نے اُن کے کوئی معقولیت ظاہر نہیں کی تھی۔ الغرض باتوں باتوں میں حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کی بابت بھی درمیان میں بات آگئی۔ مولوی عبدالبارک صاحب کہنے لگے کہ میں قادیانیوں سے گفتگو کرتے وقت مسئلہ حیات و وفات مسیح سے گفتگو شروع نہیں کرتا بلکہ میری گفتگو مرزا صاحب کے دعویٰ ہمدویت پر کے دلائل سے شروع ہوتی ہے۔ میں نے کہا کہ یہ تو عام لوگوں کا طریق ہے۔ علمائے اہل تحقیق تو ہرگز ایسا نہیں کرتے بلکہ ان کا فرض تو یہ ہے کہ مسئلہ حیات مسیح کو پہلے دلائل قویہ سے ثابت کریں جس سے رب بکھڑے طے ہو جاویں۔ لیکن شاید حیات مسیح کے دلائل قویہ آپ کے پاس نہیں ہیں اس وجہ سے ایسا نہیں کرتے ورنہ ہرگز ایسی کج راہی نہ اختیار کرتے۔ انہوں نے کہا کہ جس طریق سے مخالف کو جلد مغلوب کیا جاسکے گفتگو میں اسی طریق کو اختیار کرنا چاہیے۔ میں نے کہا کہ میرے نزدیک تو حیات مسیح پہلے ثابت کر دینے سے رب بکھڑے طے ہو جاتے ہیں بشرطیکہ دلائل قویہ حیات مسیح اسرائیلی آپ کے پاس موجود ہوں انہوں نے کہا کہ حیات مسیح کے دلائل موجود ہونے پر اس کے ثابت اور مرزا صاحب کس طرح ہمدی ہو گئے؟ اس سوال کے آتے ہی قادیانی لوگ بہت جلد لاجواب ہو جاتے ہیں۔ تجربہ سے ایسا ہی معلوم ہوا ہے میں نے کہا کہ وائف احمدی ہوگا تو وہ آپ سے دلائل و علامات ہمدی طلب کرے گا۔ اور اس وقت مشکلات آپ ہی پر آ پڑیں گے

کہ میں کچھ مشکلات میں

مولوی عبدالباری صاحب نے کہا کہ ہمدی کے علامات بھی ہم اسی سے دریافت کریں گے میں نے کہا کہ پھر آپ کیا کام کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ ہم ہمدی کی علامات پر جرح کریں گے۔ میں نے کہا کہ آپ کے لئے رب سے بہتر طریق تو یہ ہے کہ آپ اس سے کہیں کہ دور بین یا خورد بین سے آپ کو دکھا دیو کہ ہمدی کیسا ہوتا ہے اس موقع کے لئے غافقانی نے خوب ہی کہا ہے ع
انصاف نہاں شد و وفا ہم

بالآخر میں نے کہا کہ جتنی باتیں آپ نے ارشاد فرمائیں وہ بالکل با حجت کی باتیں تھیں اس میں حق جوئی و حق طلبی اور خشیت اللہ نام کو نہ تھا آپ نے ذرا بھی غور نہیں کیا کہ شیخص فی الواقع مامور و مرسل من اللہ ہے یا نہیں اس دنیا و اہل دنیا نے تو ایک جہم غفیر انبیاء و مرسلین کو اسی طرح رد کر دیا ہے جیسا اس وقت آپ نے۔ اگر فی الواقع یہ شخص مامور من اللہ تھا تب تو جتنے لوگوں نے اس سے مخالفت کی اپنے لئے جہنم کی راہ صاف کی۔ العیاذ باللہ من ذالک۔ میرے اس آخری کلام کا کوئی جواب مولوی عبدالباری صاحب نے نہ دیا۔

المختصر اس قدر گفتگو کے بعد حضرت مولانا عبدالحی صاحب مرحوم کے نواسے آگئے۔ خاکسار ان کی احوال پرسی میں مشغول ہو گیا اور اس طرح سلسلہ گفتگو قطع ہو گیا۔ مخفی نہ رہے کہ مولوی عبدالباری صاحب سے گفتگو ہو رہی تھی تو اس وقت ایک فوجان عبدالشکور نام کسی کسی وقت بول اٹھتا تھا۔ لیکن میں نے اس کو با قابل خطاب کوئی جواب نہ دیا

الغرض وہاں سے رخصت ہو کر میں نے مولوی عین القضاۃ صاحب سے ملنے کی کوشش کی۔ لیکن چونکہ وہ دن یوم جمعہ تھا اس وجہ سے قبل نماز جمعہ ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔ اور بعد نماز جمعہ اگرچہ ملاقات ہوئی۔ لیکن وہ ان باتوں کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ اور گریز کرتے رہے۔ آخر میں وہاں سے اٹھ کر چلا آیا۔ اور اسی دن لکھنؤ سے روانہ ہو کر شام کو شاہجہانپور پہنچا جہاں جناب سید مختار احمد صاحب احمدی کے مکان پر قیام ہوا۔ وہ نہایت خاطر و تواضع کے ساتھ پیش آئے اور باصرار تمام ایک دن اپنے پاس مقیم رکھا سید مختار احمد صاحب کے پاس جانے کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی۔

کہ جناب مفتی محمد صادق صاحب

نے خاکسار کو ایک مرتبہ لکھا تھا کہ اگر مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی سے ملنا منظور ہو تو پہلے شاہجہانپور کے سید مختار احمد صاحب سے ان کا حال دریافت کر لینا۔ پس ان سے مولوی احمد رضا خاں صاحب کے حالات جس قدر بھی ہو سکا۔ دریافت کر کے شاہجہانپور سے بریلی کی طرف روانہ ہوا۔ اور شام کو وہاں پہنچ کر سرائے میں مہمان آؤا۔ دوسرے دن مکرمی مولوی امداد علی صاحب کو ہمراہ لے کر مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی ملاقات کو چل پڑا۔

مکالمہ بامولوی احمد رضا خان قضا بریلوی

مولوی احمد رضا خان صاحب کے مکان پر معلوم ہوا کہ وہ میر کو باہر تشریف لے گئے ہیں لیکن بہت جلد واپس آجادیں گے ہر کیف وہ تھوڑی ہی دیر میں واپس آگئے اور تخیل اسلام اور احوال پرسی کے بعد وہ خود ایک کرسی پر بیٹھ گئے اور میرے بیٹھنے کے لئے ایک اور کرسی منگادی۔ پھر ادھر ادھر کی باتیں ہونے لگیں۔ دیوبندیوں سے جو ان کی سخت مخالفت تھی۔ اس خصوص میں بھی کچھ باتیں ہوئیں اس کے بعد میں نے ان سے دریافت کیا کہ مرزا صاحب قادیانی کی نسبت جناب کی کیا تحقیق ہے اور ان کو آپ کیا سمجھتے ہیں اس پر انہوں نے مندرجہ ذیل لمبی تمہید شروع کر دی۔

تمہید مولوی احمد رضا خان قضا

ہمارے مخالف جو مدعی دین اسلام ہیں تین قسم کے ہیں۔ اول وہ جو ضروریات دین کے منکر ہیں۔ ہم ان کے حالات کو نہیں دیکھتے بلکہ ان کو دائرۃ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں اور یہود و نصاریٰ کا سا برتاؤ ان سے کرتے ہیں۔ دوسرے وہ ہیں جن کو ہم گمراہ جانتے ہیں لیکن دائرۃ اسلام سے خارج نہیں سمجھتے۔ جیسے فرق باطلہ رافضی خارجی معتزلی وغیرہم۔ تیسرے وہ ہیں کہ نہ ہم ان کو

گمراہ جانتے ہیں اور نہ وہ ہم کو گمراہ جانتے ہیں۔ بلکہ سب آپس میں بھائی بھائی ہیں جیسے حنفی شافعی مالکی حنبلی میرزا صاحب قادیانی کو ہم پہلے قسم مخالفین میں سے سمجھتے ہیں اس لئے ہم ان کے حالات و الہامات کو بالکل نہیں دیکھتے۔ میں نے کہا۔ کہ آپ کی اس تمہید میں کلام کرنے کی گنجائش ہے لیکن میں ان میں کلام کرنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ ان سے میری کوئی غرض متعلق نہیں ہے اس وقت میں آپ سے صرف یہ دریافت کرتا ہوں کہ آپ جو میرزا صاحب کو قسم اول مخالفین میں سے شمار کرتے ہیں اور ان کو دائرہ اسلام سے بالکل خارج سمجھتے ہیں تو میرزا صاحب میں کونسی ایسی بات پاتے ہیں۔ جس سے آپ ان کو بالکل دائرہ اسلام سے خارج کر رہے ہیں؟ فرمایا کہ دور جانے کی ضرورت نہیں فقط ان کے دعویٰ نبوت ہی کو لے لیجئے۔ کہ کس بے باکی کے ساتھ اپنے تئیں بنی کہتے ہیں اور ان کے اتباع اب تک وہی گیت گارہے ہیں تمام امت محمدیہ کے نزدیک بعد آنحضرت صلعم کے دعویٰ نبوت کفر ہے جو قرآن و حدیث و اجماع امت سے ثابت ہے۔ میں نے کہا کہ میرزا صاحب نے جس نبوت کا دعویٰ کیا ہے وہ غیر شرعی نطی ہے جو میرے خیال میں جاری و جائز ہے اگر آپ کہتے ہیں۔ کہ گنجائش نہیں تو آپ دلائل دکھائیں اور سمجھائیں میں ضرور مان لوں گا۔ انہوں نے کہا کہ تمام دلائل شرعیہ مطلق واقع ہوئے ہیں

آپ ان سے نبوت غیر شرعی اور ظلی کا استثناء کہاں سے نکالتے ہیں
 میں نے کہا کہ استثناء کا موقع خود آپ کے دلائل ہی دیتے ہیں۔ میں
 بلاوجہ وجیہ ایسا نہیں کرتا۔ چنانچہ آپ کے قوی ترین دلائل میں سے
 قرآن کریم کے الفاظ خاتم النبیین ہیں ان میں تو امتناع نبوت کا ذکر
 ہی نہیں آپ لوگ زبردستی ہی ان سے آنحضرت صلم کے بعد امتناع
 نبوت مطلقہ کے معنی نکالتے ہیں اور اس ترکیب کی کوئی نظیر بھی کلام
 مستند عرب سے نہیں دکھا سکتے۔ پھر حدیث شریفہ سے جو واضح
 ترین دلیل آپ کے ہاتھ میں ہے لانبی بعدی ہے اور اس سے
 آپ لوگ زبردستی نفی استغراق کے معنی نکالتے ہیں حالانکہ حدیثوں
 میں اس قسم کی ترکیبیں کثرت سے واقع ہیں۔ اور ہر جگہ نفی استغراقی
 کے معنی نہیں دیتیں۔ مثلاً یہ حدیث کہ لا ایمان لمن لا امانۃ
 لہ ولا دین لمن عہد لہ یعنی جس کی امانت نہیں اس کا
 ایمان بھی نہیں ہے اور جس کا عہد و پیمان و قول و قرار نہیں ہے
 اس کا کوئی دین حق بھی نہیں ہے۔ انتہی۔

اس حدیث میں نفی استغراقی کے معنی ہرگز نہیں ہیں۔ اس لئے
 محققین شراح حدیث بھی اس میں نفی استغراقی کے معنی نہیں کرتے
 بلکہ نفی کمال کے معنی کرتے ہیں اور یہ معنی حدیث لانبی بعدی
 میں کرنے سے بخوبی گنجائش استثناء نبوت غیر شرعی و ظلی کی نکل
 جاتی ہے۔ کما لا یخفی اور شیخ اکبر فرماتے مکہ میں اور امام ترمذی

الیہ ائیت دالجواہر میں اور شیخ محمد طاہر مجمع البحار میں اور لٹا علی قاری
 موصوعات کبیر میں کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کے بعد غیر تشریحی نبی کا
 آنا خاتم النبیین کے منافی نہیں ہے یہ آپ کے اجماع جعلی کو بھی
 توڑتا ہے۔ "میری یہ تقریر سنکر وہ بدحواس سے ہو گئے اور میری
 تردید میں اور تو کچھ نہ کہہ سکے۔ ناچار یہی کہنے لگے کہ آنحضرت
 صلعم کے بعد امتناع نبوت کے دلائل کو کیا آپ تحقیر کی نظر سے
 دیکھتے ہیں۔ میں نے کہا کہ استغفر اللہ۔ ہرگز ہیں دلائل قرآن و
 حدیث کو تحقیق کی نظر سے نہیں دیکھتا بلکہ ہر ایک کے مفاد کو ظاہر کرنا
 چاہتا ہوں۔ آپ ثابت کریں۔ کہ میرا کونسا لفظ تحقیر پر دال ہے۔
 العیاذ باللہ۔ میرے خیال میں جو کوئی ایسا کرے وہ میرے نزدیک
 قابل اخراج از دائرہ اسلام ہے تب انہوں نے کہا کہ اگر آپ لائل
 قرآن و حدیث کو عظمت کی بجائے ہٹاتے ہیں اور ان میں پیچیدگیاں
 نہیں پیدا کرتے تو میں آپ کو اصل بات بتائے دیتا ہوں۔ میں نے
 کہا بہت خوب یہی تو میرا نین مقصد ہے آپ واضح طور پر فرادیں
 پس مولوی صاحب نے فرمایا۔ اللہ تبارک نے اپنے کھام پاک میں فرمایا
 ہے مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن
 رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ یعنی نہیں ہے محمد باپ کسی
 مردوں سے تمہارے لیکن رسول اللہ کا ہے اور مہر نبیوں کے انتہی
 اس آیت شریفہ میں جو لفظ خاتم النبیین ہے یہ لفظ بعد آنحضرت صلعم

نبی کے آنے کے نفس امتناع پر غمّاً قاطع ہے۔ کوئی نبی کسی قسم کا
 بعد آنحضرت صلعم کے نہیں آ سکتا۔ اور اگر کوئی کسی قسم کی نبوت کا دعویٰ
 کرے وہ بے شک کافر ہے۔ اور دائرہ اسلام سے بالکل خارج ہے
 تب میں نے کہا کہ کیا اب بندہ بھی کچھ عرض کر سکتا ہے۔ فرمایا کہ
 پس میں نے عرض کیا کہ یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ آیت شریفہ مذکورہ
 بی بی زینب کے نکاح کے بارے میں ہے انہوں نے کہا ہاں اس
 میں کیا شک۔ میں نے کہا کہ اس آیت شریفہ میں جو کلمہ لَکِن
 حرف استدراک واقع ہوا ہے۔ اس کی وجہ استدراک کیا ہے
 بیان فرمادیں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ اچھا میں پھر بتاؤں گا۔
 ابھی الفاظ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ پر غور کیجئے۔ میں نے کہا بہت اچھا۔
 فرمائیے کہ جملہ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ مقام مدح میں واقع ہے یا مقام ذم میں
 انہوں نے کہا کہ مقام مدح میں۔ تب میں نے کہا کہ اب لفظ خاتم
 النَّبِیِّیْنَ کے معنی بیان فرمادیں۔ بظاہر اس جملہ میں دو ہی لفظ ہیں
 خاتم اور نبیین اور ظاہر ہے کہ نبیین جمع ہے لفظ نبی کا۔ اب باقی
 رہا لفظ خاتم کے معنی۔ پس فرمائیے اس لفظ کے کیا معنی ہیں انہوں
 نے کہا کہ اس کے معنی ہیں مُہر۔ میں نے کہا بہت خوب۔ پس خاتم
 النَّبِیِّیْنَ کے معنی ہوئے مُہر نبیوں کی۔ اب فرمائیے۔ اس سے کیا مراد
 ہے انہوں نے کہا کہ سب نبیوں کے بعد آخری نبی۔ میں نے کہا کہ
 آخری کس لفظ کے معنی ہوئے۔ انہوں نے کہا جب ہم فتویٰ وغیرہ

لکھتے ہیں تو رب سے آخر میں قمر کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ سبحان اللہ کیا
 آپ کا فعل بھی دلیل ہو گیا۔ انہوں نے کہا کہ فقط میں کیا رب ہی تو
 ایسا کرتے ہیں یہ تو ایک عام دستور کی بات ہے میں نے کہا کہ رب
 کہاں ایسا کرتے ہیں۔ ایک میں ہوں میں تو ایسا نہیں کرتا۔ میری
 عادت ہے کہ دہنے طرف حاشیہ پر قمر کر دیتا ہوں اور ایسا ہی اور
 بھی بہت سے لوگ ہیں ماسوا اس کے بادشاہی عملداری سے لے کر
 انگریزی عملداری تک یہی دستور ہے کہ سرکاری کاغذوں پر رب سے
 اوپر قمر کرتے ہیں۔ تو کیا فقط آپ کی عادت اور فعل کے مطابق
 اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں لفظ خاتم النبیین نازل فرمایا ہے
 اس کا جواب تو وہ سمجھ نہ دے سکے۔ اور جب دیکھا کہ یہ بحث بہت
 مشکل ہے تب جھبٹ حدیث لانسبی بعدی کی طرف رجوع کیا۔
 میں نے اس کے مقابل میں حدیث لو عاش ابراہیم لکان
 صدیقاً نبیاً۔ پیش کر دی۔ یعنی آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ
 اگر میرا بیٹا ابراہیم زندہ رہتا تو البتہ وہ نبی ہوتا۔ انتہی۔

انہوں نے کہا کہ کلمہ لَسُو کے ماتحت کا وقوع ضروری نہیں ہے
 میں نے کہا کہ نہ ہو ممکن الوقوع تو ہے پس اس سے بھی میرا مطلب
 حاصل ہے کیونکہ اس قدر قوت ثابت ہوا کہ آنحضرت صلعم کے بعد
 نبی کا آنا ممکن ہے و ہذا ہو مراعی؟
 المختصر مولوی احمد رضا خاں صاحب سے گفتگو کرتے کرتے

بہت دیر ہو گئی تھی۔ اور بارہ بج چکے تھے۔ اثناء گفتگو میں بعض اوقات مولوی صاحب کا چہرہ لرز رہا جاتا تھا۔ ان کا یہ حال دیکھ کر مولوی امداد علی جو میر سے ساتھ تھے گفتگو ختم کرنے کے لئے مجھ سے اشارہ پر اشارہ کرتے جاتے تھے چونکہ وقت بھی بہت صرف ہو چکا تھا اس وجہ سے ناچار میں نے گفتگو ختم کر دی اور مولوی احمد رضا خان صاحب کے بعض رسالہ جات لے کر وہاں سے رخصت ہوا۔ اور یہ فقرہ میری زبان پر تھا۔ شعر فہمی عالم بالا معلوم شد اور یہ بحث یہاں ختم ہو گئی۔ مولوی احمد رضا خان صاحب کے ساتھ گفتگو کے وقت ان کے مدرسہ کے مدرسین بھی ہماری گفتگو سننے کے لئے آگئے تھے۔ اور خاموش بیٹھ کر سنتے رہے لیکن کسی نے دم تک نہ مارا۔ اور میں بھی ان کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ ہماری گفتگو کے تمام ہوتے ہی سب لوگ اٹھ کر ادھر ادھر چلے گئے۔

میں بھی وہاں سے رخصت ہو کر اپنی جائے قیام یعنی سرائے کو لوٹ آیا اور کھانے سے فارغ ہو کر مولوی امداد علی دو گجہ ہمراہیوں کو ساتھ لے کر امر وہہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اور شام کو جناب مولوی سید محمد حسن صاحب کے مکان پر جا پہنچا انہوں نے بڑی خاطر و تواضع کے ساتھ ہمیں دو دن تک ٹھہرا رکھا۔ امر وہہ جانے کی غرض یہ تھی کہ مولوی محمد حسن صاحب کے بعض رسالہ جات میں اکثر حواجیات کے بارہ میں مجھے کچھ شبہات تھے۔ اور میں ان کی تصحیح کرنا چاہتا تھا لیکن وجہ کبیر سنی اور

علاقت کے مولوی سید محمد احسن صاحب کے تو اس درست نہ تھے۔ اس لئے عباراتِ مطلوبہ کتب منقولہ سے نکال نہ سکے۔ اور نکالتے کیسے ان کی بدعات بھی جواب دے چکی تھی۔ اور تمام قوائے جسمانی ضعیف ہو گئے تھے جب کچھ لکھنے کی ضرورت ہوتی تو وہ زبانی بتاتے جاتے اور ان کے فرزند محمد یعقوب صاحب لکھتے جاتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ان کا ایک ہرمانشی بھی لکھتا تھا جس کے بارہ میں خود ہی مذاقاً لکھا کرتے تھے کہ ”اندھا لگائے ہر اس بجائے“ تیسرے دن ہم امروہہ سے دہلی کی طرف روانہ ہو گئے وہاں پہنچ کر جناب میر قاسم علی صاحب کے گھر جا آئے۔ اور رات کو دیر تک ان سے باتیں ہوتی رہیں۔ صبح کے وقت ہم مبلغِ محتسبائی دیکھنے کے لئے گئے اور وہاں سے جناب مولوی عبدالحق صاحب مؤلف تفسیر حقانی کی ملاقات کو ان کے مکان کی طرف چل پڑے۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ وہ مکان پر تشریف نہیں رکھتے بلکہ خواجہ قطب الدین کے مزار کی زیارت کو گئے ہیں۔ دو گھنٹے کے بعد وہاں سے واپس آئیں گے۔ پس ہم نے دل میں خیال کیا کہ اتنی دیر تک یہاں بیٹھ کر کیا کریں گے۔ اس عرصہ میں حکیم اجل خان صاحب، کے مطب کی سیر بھی کر لیں۔ وہاں جا کر دیکھا کہ زن و مرد کے ہجوم سے گویا وہاں بازار لگا ہوا ہے یہ نظارہ ہم دیر تک دیکھتے رہے۔ اور وہاں بیٹھے بیٹھے دوپہر کا وقت ہو گیا۔ چونکہ یہ وقت نامناسب تھا اس لئے مولوی عبدالحق صاحب کے مکان پر اس وقت نہ گئے اور سیدھے

اپنی اقامت گاہ پر چلے آئے۔ بعد نماز ظہر مولوی عبدالحق صاحب کے
ملنے کے لئے میں پھر چلا۔

مکالمہ بامولوی عبدالحق صاحب مؤلف تفسیر حقانی

اور دہاں جا کر دیکھا کہ مولوی صاحب اپنے دیوان خانہ میں تشریف
فرما ہیں۔ اور ان کے پاس اور بھی چند آدمی موجود ہیں۔ میں بھی سیدھا
ان کی نشست گاہ میں چلا گیا اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کا
تختہ پیش کیا انہوں نے بھی سلام کا جواب دیا اور اعزاز کے ساتھ
بٹھایا احوال پرسی کی اس کے بعد ادھر ادھر کی باتیں ہونے لگیں اسی
عرصہ میں حاضرین میں سے ایک شخص نے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ حضرت پیر کو
سجدہ کرنا اور پیسہ کا سجدہ کی ممانعت ٹکنا شرعاً کیسا ہے مولوی صاحب
نے جواب دیا کہ کفر ہے اور بڑا کفر ہے اس کے بعد میں نے بھی کچھ سوالات
شروع کئے اور کہا کہ جناب والا ظہور ہمدی و نزول مسیح کے بارے میں
آپ کی کیا تحقیق ہے۔ مولوی صاحب نے جواب دیا کہ مختلف احادیث
میں ظہور ہمدی اور نزول مسیح کی خبریں آتی ہیں۔ لیکن چونکہ یہ حدیثیں
اخبار احاد سے ہیں اس لئے ان پر مجھے یقین کامل نہیں ہے ان ظنی
طور پر ہم ان دونوں کی آمد کے قائل ہیں اگر آئے تو فہما اور اگر نہ آئے
تو کچھ حرج نہیں کیونکہ ہمیں ہمدی و مسیح کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہم تو
دین حق و شریعتِ غرآئے کریمؐ ہیں اور قرآن کریم میں اکملت لکم دینکم

یعنی کامل کر دیا میں نے واسطے تمہارے دین تمہارا۔ آگیا ہے پھر ہمیں
 حمدی دسیح کی کیا ضرورت ہے اگر کوئی حمدی بنے یا مسیح بنے۔ بننے دیجئے۔
 ہمیں ان کی کچھ ضرورت نہیں۔ اور یہ بھی فرمایا کہ اگر مسیح آدے گا تو دجال
 کو ہلاک کرنے کے لئے آدے گا۔ دین و شریعت سے اس کو کوئی تعلق نہ
 ہو گا۔ ان کی یہ باتیں سنکر میں نے دل میں کہا کہ یہ تو عجیب ہی قسم کے
 آدمی ہیں بہر حال ان کو کسی طرح لا جواب کرنا چاہیئے۔ آخرش کسی قدر تفکر
 کے بعد میں نے کہا۔ جناب! بندہ آج ہی صبح کو ایک مرتبہ پہلے بھی جناب
 کے دولت کدہ پر حاضر ہوا تھا لیکن اس وقت معلوم ہوا تھا کہ آپ
 خواجہ قطب الدین صاحب کے مزار کی طرف تشریف لے گئے تھے مولیٰ
 صاحب نے فرمایا جی ہاں۔ میں قطب صاحب کے مزار پر ہی گیا تھا۔
 میں نے کہا کہ بھلا یہ تو فرمائیں کہ آپ وہاں کیوں گئے تھے۔ آپ تو وہ
 شخص ہیں کہ مسیح و حمدی کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے۔ پھر خواجہ قطب الدین
 کے آپ کیوں محتاج ہوئے حالانکہ خواجہ قطب الدین آپ کے فتویٰ کے
 کے مطابق کافر ہیں۔ میں نے تو جناب کی مجلس میں آکر ہی یہ فتویٰ سنا۔
 کہ مرید کا پیر کو سجدہ کرنا اور پیر کا مرید کے سجدہ کو قبول کر لینا کفر ہے۔
 اور یہ واقعہ ہے کہ خواجہ قطب الدینؒ اپنے مرید کا سجدہ قبول کر
 لیا کرتے تھے۔ چنانچہ میں نے نظام الدین اولیاءؒ کے ملفوظات میں
 دیکھا ہے کہ بعض مرید آپ کی چوکھٹ پر سر رکھ دیتے تھے تو حاضرین
 میں سے ایک شخص نے حضرت خواجہ نظام الدینؒ سے دریافت کیا کہ

یا حضرت! کیا آپ اس کو جائز سمجھتے ہیں کہ لوگ ایسا کریں۔ تو آپ نے فرمایا۔ میں نے بار بار چاہا کہ اس کو موقوف کرادوں لیکن چونکہ میں نے حضرت صاحب یعنی شیخ فرید الدین شکر گنج کے دربار میں دیکھا ہے اس لئے ممانعت کی جرأت نہیں کرتا۔ اسی طرح شیخ ممدوح کے ملفوظات میں بھی لکھا ہے کہ مرید لوگ آکر چوکھٹ پر سر رکھ دیتے تھے تو حاضرین میں سے کسی نے پوچھا۔ یا حضرت! کیا آپ اس کو جائز قرار دیتے ہیں کہ لوگ ایسا کریں۔ تو شیخ شکر گنج نے بھی اسی طرح فرمایا کہ میں نے بار بار چاہا کہ اس کو موقوف کرادوں لیکن چونکہ میں نے حضرت صاحب یعنی خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے دربار میں دیکھا ہے کہ لوگ ایسا کرتے ہیں اس لئے ممانعت کی جرأت نہیں کرتا۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ خواجہ قطب الدین "سجدہ قبول فرماتے تھے۔ اور آپ کے فتویٰ مذکور اھلحد کے مطابق یہ کافر تھے۔ اور مسیح و مہدی کی فضیلت و آمد کی خبر احادیث صحیح میں آئی ہے اور خواجہ قطب الدین کا کوئی ذکر احادیث صحیح کیا بلکہ غیر صحیح میں بھی نہیں ہے پس آپ کا مسیح و مہدی کا محتاج نہ ہونا اور خواجہ قطب الدین کے استخوانی بوسیدہ کا محتاج ہونا بسا عجیب ہے کما لا یخفی۔ میری یہ تقریر سنکر مولوی عبدالحق صاحب مہوت سے ہو گئے بالآخر یہی کہتے بنی کہ میں برکت حاصل کرنے کے لئے گیا تھا۔ میں نے کہا کہ کیا آپ کے اکملت لکم دینکم میں یعنی کامل کر دیا میں نے واسطے تمہارے دین تمہارا برکت نہیں ہے جو اپنے خود قرار دادہ کافر کے

استخوانِ بوسیدہ سے برکت حاصل کرنے کے لئے گئے تھے۔ اس پر مولیٰ صاحبِ بہت ہی مچل ہوئے۔ اور سر جھکا لیا۔ پھر میں نے کہا کہ جناب نے ایک بات یہ بھی تو فرمائی تھی۔ کہ مسیح اگر آئے گا تو دجال کو ہلاک کرنے کے لئے آئے گا دین و شریعت سے اس کو کچھ تعلق نہ ہوگا۔ جناب نے تو صحیح بخاری ضرور دیکھی ہوگی اس میں تو نزولِ مسیح کی یہ حدیث لکھی ہے کہ کیف انتم اذا نزل ابن مریم فیکم واما مکم مذکم اب فرمائیے کہ لفظ امام کے کیا معنی ہیں؟ اگر آپ فرمادیں کہ امام کہتے ہیں ایسے بڑے جری پہلوان کو جو دجال جیسے عجیب الخلق کو ہلاک کر سکے۔ تو فرمائیے آپ کے امام ابو حنیفہ صاحب میں یہ صفت تھی یا نہیں۔ اگر تھی تو ثابت کیجئے ورنہ ان کو آپ لوگ امام کیوں کہتے ہیں اور علاوہ اس کے مسیح سے تو آپ کے خیال میں وہی مسیح اسرائیلی مراد ہیں جو بنی اسرائیل کے آخری پیغمبر تھے۔ یہ بزرگ رسول تو بہت ہی ضعیف اور کمزور آدمی تھے کہ فقط یہودیوں کے حملہ کی تاب نہ لا سکے اور تقریباً دو ہزار برس سے آسمان میں پناہ گزین ہیں کہ اس اثنا میں کبھی جرات نہ ہوئی۔ کہ تھوڑی دیر کے لئے ایک مرتبہ پھر اس زمین پر آویں اور اس وقت تو بحکمِ آیت کریمہ *ومن نعمۃ نناکسہ فی الخلق کے بڑے ہو چکے ہوں گے* ایک ایسے آدمی کو اللہ تعالیٰ نہ معلوم کن مصلحت سے دنیا میں بھیجے گا۔ اور فعلِ الحکیم لا یخلو عن الحکمة مثل مشہور کے خلاف ہوگا آمدِ اول میں ان سے کیا کارگزاری ایسی ہوئی تھی کہ پھر دوبارہ *انزلنا*

ان کو بھیجے گا۔ ہاں اگر نذول رستم کی کوئی روایت آپ مجھ کو نکال کر دکھا سکتے تو البتہ میں بہت ہی ممنون ہوتا۔ کیونکہ فردوسی نے شاہنامہ میں اس کی کارگزاری بہت لکھی ہے۔ یہ سنکر مولوی عبدالحق صاحب ہلنے لگے۔ اور ان کے ساتھ جتنے اور بے وقوف بیٹھے تھے سب کے سب نے ہنسنا شروع کیا۔ اور بات کی تہہ تک ذرا بھی نہ پہنچے۔ بات یہاں تک پہنچی تھی کہ مولوی عبدالحق صاحب اپنے خادم کو زور سے پکارنے لگے کہ چائے لاؤ چائے لاؤ۔ مولوی صاحب کو چائے پلاؤ۔ لیکن میں نے چائے نہیں پی۔ اور غذر کیا کہ میرے لئے چائے معزز ہے۔

المختصر اسی پر میری گفتگو مولوی عبدالحق صاحب سے ختم ہوئی اور وہاں سے اٹھ کر ہم اپنی اقامت گاہ میں چلے آئے۔ اور دوسرے دن پنجاب کی طرف روانہ ہو گئے۔

پس اے حق کے طالبو! علمائے دنیا دار کا حال دیکھو کہ اپنی عزت و اعتبار قائم رکھنے کے لئے کس قدر احتیاط سے کام لیتے ہیں اور خدا کا خوف بالکل دل میں نہیں لاتے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نامور و مرسل کو قبول نہیں کرتے۔ بلکہ عوام کو معتقد رکھنے کے لئے حق بات کو بے اوقات سمجھ کو بھی نہیں سمجھتے۔ اور اس تصور کے سبب اللہ تعالیٰ نے نور معرفت ان سے سلب کر لیا ہے۔ اس لئے اُسے ^{مستور} کھینچا بھی نہیں کر سکتے۔ یہ مولانا شبلی نعمانی اور مفتی عبداللہ ٹونگی اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی اور مولانا عبدالحق مؤلف تفسیر حجتانی

ہندوستان میں چوٹی کے علماء شمار کئے جاتے تھے جب انہیں کا یہ حال تھا تو انہی پر اوردوں کو بھی قیاس کرنا چاہیئے۔ اکثر خاص و عام مسلمان انہی کے انکار سے دھوکا کھا کر سلسلہ حقہ احمدیہ کو قبول نہیں کرتے۔ اور سمجھتے ہیں کہ ان علماء کے اندر بہت سا علم ہے یہ حضرات کیا غلط کہتے ہیں حالانکہ اندرون ان کا خالی ہوتا ہے جیسا کہ اد پر مذکور ہو۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

الغرض دہلی سے روانہ ہو کر امرت سرہنچا وٹاں مولوی ثناء اللہ صاحب سے ملاقات کرنی تھی۔ کچھ گفتگو کرنے کے شوق سے نہیں۔ کیونکہ پیشتر سے اس سے خط و کتابت تھی۔ اور اس کی بہت سی تالیفات حضرت صاحب کے خلاف میں منگا کر دیکھ چکا تھا۔ اور اس کا اخبار الحمدیث بھی کبھی کبھی منگاتا تھا غرض اس کی شرارت کی کیفیت پہلے ہی سے مجھ پر ظاہر ہو چکی تھی۔ اس کے ساتھ ملاقات کرنا دو غرض سے تھا ایک تو اس کی صورت شکل دیکھنا تھا۔ دوسرے میر قاسم علی صاحب نے دہلی سے ایک فرمائش یہ کی تھی کہ اگر مولوی ثناء اللہ سے آپ کی ملاقات ہو تو ان سے دریافت فرمائیے گا۔ کہ میرے اشتہار کا جواب کیوں نہیں دیتا۔ بات یہ ہے کہ میر صاحب نے ایک اشتہار چھپوایا تھا۔ کہ اگر مولوی ثناء اللہ اس اشتہار کے مطابق حضرت صاحب کی تکذیب کرے تو پچیس روپے بطور انعام کے یں اس کو دے گا۔ لیکن مولوی ثناء اللہ اس کو قبول نہیں کرتا تھا۔ یں نے جب مولوی ثناء اللہ

سے پوچھا کہ آپ تو مجذب میرزا صاحب کے ہیں پھر میر صاحب کے
 اشتہار کے مطابق کیوں تکذیب نہیں کرتے اور انعام موعود نہیں لیتے
 اس نے جواب دیا کہ یوں تو میں دن رات تکذیب کرتا رہتا ہوں
 اس میں مجھے عذر کیا ہے۔ لیکن یہ لوگ اس میں پیچ در پیچ لگاتے ہیں
 اس لئے میں قبول نہیں کرتا۔ مولوی ثناء اللہ پر اس قسم کے مطالبات
 اس وجہ سے ہوتے ہیں کہ وہ سلسلہ احمدیہ سے اس قدر واقف ہے
 کہ ہر احمدی بھی اس قدر واقف نہیں ہے۔ فقط خدا اور دنیا طلبی اور
 بے ایمانی کی وجہ سے سلسلہ احمدیہ کو قبول نہیں کرتا۔ اس وجہ سے اس
 پر اس طرح سوال کیا جاتا ہے کہ مبارکہ کے پیچ میں گرنے مگر وہ بھی اس
 قدر شریعہ ہے کہ اس کو تار جاتا ہے اور مبارکہ کے پیچ میں آنے سے اپنی
 جان بچا بچا کر چلتا ہے ہمیشہ سے اس کا یہی حال ہے لیکن جب اس سے
 میری ملاقات ہوئی۔ جیسے ہی اس کی نظر مجھ پر پڑی اس کا چہرہ بالکل زرد
 ہو گیا تھا۔ نہ معلوم اس میں کیا سر ہے۔ واللہ اعلم۔

بہر کیف اس نے مجھے کچھ ناشتہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن میں انکار
 کرتا رہا۔ پھر کہا کہ کچھ فواکھات حاضر کروں اس میں میں نے یہ عذر کیا کہ
 آخر فواکھات میں سے آپ بیب و ناشپاتی ہی لادیں گے اور اس سے
 میرا جی بھرا ہوا ہے کیونکہ ریل گاڑی پر بیٹھے بیٹھے اسی کا شغل رکھنا
 ہوں آخر کچھ دودھ شکر ملا کر لایا تو اس سے کچھ عذر کرنے کی کوئی مقول
 بات نہ پائی ناچار تھوڑا سا پی لیا۔ اور باقی مولوی امداد علی کو جو میرے

ساتھ غصے دے دیا۔

المختصر اسی دن امرت سر سے بٹالہ پہنچا۔ اور سرائے میں اُترا۔
 دوسرے دن صبح کو مولوی محمد حسین بٹالوی کی ملاقات کو گیا اس
 کے ساتھ بھی گفتگو کرنے کے شوق سے نہیں گیا کیونکہ اس کے ساتھ
 بھی پیشتر سے میری خط و کتابت تھی۔ چنانچہ پہلی مرتبہ جو خط میں نے
 اس کو لکھا تھا اس کا مضمون یہ تھا کہ مرزا صاحب قادیانی کی شہرت
 یہاں تک بھی پہنچی ہے مگر ہم لوگ بہت دور رہتے ہیں اور آپ تو
 ماشاء اللہ عالم بھی ہیں زبردست، اور قریب و جوار میں بھی رہتے ہیں
 اور ہمیشہ میرزا صاحب سے رد و قدرج بھی ہوتی رہتی ہے۔ پھر آپ سے
 زیادہ واقفیت میرزا صاحب کے حوالے سے اور کس کو ہو سکتی ہے۔
 پس اسی قدر خوشامدانہ کلام پر مولوی محمد حسین بالکل اُچھل پڑے
 اور نہایت شد و مد کے ساتھ لکھا کہ میرزا صاحب قادیانی کی تردید
 جس قدر میں نے کی تھی پنجاب و ہندوستان کے علماء میں سے کسی نے
 نہیں کی۔ ساتھ برس تک میں یہی کام کرتا رہا۔ چنانچہ سات جلدیں
 "اشاعت السنہ" کی میرے پاس موجود ہیں اور قیمت ہر ایک کی تین روپیہ
 ہے اگر کیفیت حال دریافت کرنا منظور ہو تو آپ ان رب کو منگا کر
 دیکھ سکتے ہیں۔

میں نے جواب الجواب اس طرح پر لکھا کہ جناب کا عنایت نامہ
 پہنچا اور خاکسار نہایت محظوظ ہوا۔ لیکن آپ نے جو تحریر فرمایا ہے

کرسات برس تک آپ نے میرزا صاحب کے ساتھ رد و قریح کی ہے۔ اس سے مجھ کو بہت ہی تعجب ہوا۔ کیونکہ مرزا صاحب تو کوئی مولانا مولوی نہیں ہیں اور نہ کسی نامی گرامی استاد سے انہوں نے علم حاصل کیا ایک ایسے شخص سے آپ نے سات برس تک نہ معلوم کیا کیا۔ ہم لوگوں کا قواعد ہے کہ جب کوئی بیجا سرکشی کرتا ہے تو بس ایک دو رسالے ہیں اس کو بند کر دیتے ہیں۔ اور وہ ذلیل ہو جاتا ہے۔ پھر اور سر نہیں اٹھا سکتا آپ اتنے بڑے فاضل بے بدل ہو کر مرزا صاحب جیسے شخص سے اس قدر مدت دراز تک کیا کرتے رہے۔ میرے خیال میں یہ بالکل تضحیح اوقات معلوم ہوتی ہے آپ لکھتے ہیں کہ سات جلدیں اُشاعت السنہ کی آپ کے پاس موجود ہیں اور قیمت اکیس روپیہ ہے نہ میں اس قدر روپیہ دے سکتا ہوں اور نہ مجھے اس قدر فرصت ہے کہ سات دفتروں کو پڑھوں۔ میں فقط اس قدر چاہتا ہوں کہ آپ بتائیں اس سات برس کے عرصہ میں آپ نے کتنے مسائل میں مرزا صاحب کو شکست دی۔ اگر ان میں سے فقط تین مسئلے بطور نمونہ کے آپ خاکسار کو تمائیں جن میں آپ نے تین طور پر حجت کی راہ سے مرزا صاحب کو مغلوب کیا۔ اور ہزیمت دی ہو تب خاکسار بہت ممنون احسان ہوگا۔ اور اسی سے یہی کیفیت حال سمجھ لوں گا اور سات دفتروں کے لٹنے کی حاجت نہ ہوگی۔ میرے اس خط کا جواب مولوی محمد حسین صاحب نے باوجود بار بار تقاضا کے نہ دیا۔ اسی وقت

سے میں نے ان کی حقیقت سمجھ لی تھی۔

مولوی محمد حسین کے پاس میرا جانا فقط دو مطلب کے لئے تھا۔ ایک تو یہ مطلب تھا کہ فتویٰ تکفیر جو حضرت صاحب پر انہوں نے لکھا تھا۔ اور بہت سے تکفیر باز مولویوں کی مہر میں اس پر ثبت کر کے اسے چھپوایا تھا۔ اس کا ایک نسخہ مجھے مطلوب تھا اور دوسرا مطلب یہ تھا کہ حضرت صاحب کی کتاب براہین احمدیہ پر انہوں نے جو ریلو اس وقت لکھا تھا۔ جبکہ وہ حضرت صاحب کے مطبع تھے اس کا بھی ایک نسخہ مجھے مل جائے لیکن مولوی صاحب بٹالوی نے یہ عذر کیا کہ ان دنوں کا فقط ایک ایک نسخہ ان کے پاس ہے زیادہ نہیں ہے اس لئے پڑھ کر پھر واپس کرنا ہوگا۔ اس کے بعد سوئیاں اور دودھ چینی مجھے اور مولوی امداد علی کو جو میرے ساتھ تھے کھلایا اور کہنے لگے کہ تورمہ پلاؤ پکتا ہے ضرور کھانا کھا کر جائیے گا۔ میں نے کہا۔ کہ جو کچھ آپ نے کھلایا یہی بہت ہے ہمیں قادیان جانا ہے دیر نہیں کر سکتے۔ انہوں نے میرے قادیان نہ جانے کے لئے بہت کچھ حیلہ انگیز باتیں کیں۔ مگر میں نے ایک بھی نہ مانا اور کہا کہ جب اتنی دور آگئے ہیں تو بغیر قادیان دیکھے نہ جاؤں گے۔

ایک بات انہوں نے یہ بھی کہی کہ میرزا جو کچھ کہتا ہے اب تو وہ بھی نہ رہا۔ پھر آپ قادیان جا کر کیا کریں گے۔ میں نے کہا کہ جہاں آگ ہوتی ہے آگ کے بجھ جانے پر بھی اس کے آثار باقی رہ جاتے ہیں

جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں آگ تھی۔

المختصر:- بڑی کوشش کے بعد مولوی محمد حسین سے رخصت ہوا۔ اور چلتے وقت اس سے کئی رسالے عاریتاً لے کر آیا اور کہہ دیا کہ ابھی تو میں قادیان جاتا ہوں لوٹنے وقت آپ کی کتابیں انشاء اللہ تحالے دے کر جاؤں گا۔ وہاں سے اپنی فرودگاہ میں آکر کھانا کھایا۔ پھر قادیان کی طرف روانہ ہوا اور عصر کے وقت وہاں پہنچ گیا۔ عصر کی نماز کے قبل ہی خلیفہ اول حضرت مولانا نور الدین صاحب سے ملاقات کی۔ اور دیکھا کہ وہ صحیح بخاری شریف کا درس دے رہے ہیں۔ پس اس وقت کچھ مختصر سی باتیں ہوئیں اتنے میں عصر کی نماز کے لئے اذان ہوئی۔ اور مسجد مبارک میں نماز عصر پڑھی پھر مہمان خانہ میں جہاں جگہ ملی تھی۔ وہاں اپنے دینر ہمراہیوں کے لئے بسترہ وغیرہ بھیک کیا۔

الغرض حضرت مولانا نور الدین صاحب سے پندرہ دن تک گفتگو ہوتی رہی۔ مگر اس طرح نہیں جس طرح غیر احمدی مخالفت مولویوں سے گفتگو ہوتی تھی۔ بلکہ میں جن شبہات کو نوٹ کر کے لے گیا تھا۔ انہیں باتوں کو پیش کر کے جواب حاصل کیا۔ جس سے مجھے اطمینان کلی حاصل ہو گیا۔ اور قادیان کے باشندوں کے حالات پر میں نے بھی بہت سی غور و تدبر سے نگاہ کی بالآخر بفضل الہی اس سلسلہ کی صداقت پر مجھے شرح صدر حاصل ہو گیا اور پھر کچھ تردد باقی نہ رہا۔ پس مزید

توقف میں نے مناسب نہ جانا۔ اور ایک دن بعد نماز جمعہ میں نے
 مع اپنے ہمراہیوں کے حضرت خلیفہ اول کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور
 شکر الہی بجالایا کہ الحمد للہ الّذی هدانا لهذا وما
 کُنَّا لَنَهْتَدِی لَوْلَا اِنَّ هَذَا مِمَّا اَللّٰہُ (اعراف ۷)

بعد اس کے جب وطن کی طرف لوٹنے کا ارادہ کیا تب مجھے خیال
 ہوا کہ وطن پہنچنے پر تو ضرور سنت اللہ کے مطابق ہماری سخت مخالفت
 ہوگی۔ اور میری دو نوکریاں ہیں ایک تو برہمن بڑیہ کے ہائی اسکول
 کے ہیڈ مولوی کا عہدہ۔ دوسری قضا یعنی میرج رجسٹرارسی کا عہدہ
 یہ دو نوکریاں گویا میرے دو پاؤں ہیں اور کتنے جو آدمی کو کاٹتے ہیں
 تو اکثر دونوں پاؤں میں سے کسی میں کاٹتے ہیں۔ پس مخالفین جو
 مجھ کو ضرر پہنچا دیں گے۔ تو انہی دونوں نوکریوں کے ذریعہ کیونکہ اسی
 میں زیادہ تر ان کا قابو ہے۔ پس بہتر ہے کہ مقام برہمن بڑیہ میں داخل
 ہونے کے قبل ہی میں ان دونوں نوکریوں کو چھوڑ دوں تاکہ مخالفین
 مجھ پر قابو نہ پائیں۔ یہ تجویز میں نے حضرت خلیفہ اولؒ کے سامنے پیش
 کی۔ آپ نے اس کو پسند نہ کیا اور فرمایا۔ کہ اگر آپ ایسا کریں گے
 تو گندگار ہوں گے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک انسان کے رزق کے
 لئے ایک نہ ایک صورت لگا دی ہے۔ اگر اپنے ہاتھ سے اس کو
 توڑیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ سے ناراض ہوگا۔ اور اپنے رزق کی
 صورت خود آپ کو کرنی پڑے گی۔ اور آپ تکلیف میں پڑیں گے۔

ہاں اگر نوکریاں آپ کی از خود چلی جائیں۔ تو اللہ تعالیٰ دوسری صورت پیدا کر دے گا۔ کما: قبیل۔ ہیئت

خدا اگر بحکمت بہ بندہ درے
کشايد بفضل و کرم دیگرے

الغرض حضرت مولوی صاحب کے فرمانے کے مطابق میں نے اپنی نوکریوں کو نہ چھوڑا اور یونہی حضرت مولانا نور الدین صاحب خلیفہ المسیح سے رخصت ہو کر قادیان سے بٹالہ کے سٹیشن کی طرف روانہ ہوا چونکہ یکے میں بدت تکان ہوتی ہے اس لئے ایک ٹمٹم کرایہ کر کے چلا تھا اور ٹمٹم والے سے کہہ دیا تھا کہ جب مولوی محمد حسین کے مکان کے قریب پہنچے تو ضرور مجھے مطلع کرے جب ہم بٹالہ پہنچے۔ اور کچھ دور آگئے تو گاڑی والے نے کہا کہ آپ لوگ جس مولوی صاحب کا مکان تلاش کرتے ہیں ان کا مکان یہی ہے۔ تب میں نے ٹمٹم کھڑا کرایا اور مولوی محمد حسین کے سارے رسالے اپنے ہمراہی امداد علی کو دے کر کہا کہ ان کو واپس دے کر جلد چلے آویں۔ ہم لوگ آگے بڑھتے ہیں۔ اگر مولوی محمد حسین میری بابت پوچھے تو کہہ دینا کہ وہ اسٹیشن پر چلے گئے ان کی طبیعت اچھی نہیں ہے۔ کیونکہ قادیان میں ان کو سجار ہو گیا تھا۔ مولوی امداد علی نے وہاں جا کر دیکھا کہ مولوی محمد حسین مسجد میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ تھوڑی دیر توقف کرنے پر جب انہوں نے نماز ختم کی۔ تب مولوی امداد علی نے کتابیں ان کے حوالہ کیں اور

اور واپس آنا چاہا۔ مگر وہ انہیں چھوڑنا نہیں چاہتے تھے اور قادیان کی کچھ باتیں پوچھنے لگے۔ اول تو یہ پوچھا۔ کہ مولوی صاحب کہاں ہیں۔ جس کا مولوی امداد علی نے وہی جواب دیا جو میں نے کہہ دیا تھا۔ پھر پوچھا کہ آپ سب احمدی ہوئے یا محمدی رہے۔ انہوں نے صاف کہہ دیا۔ کہ احمدی ہو گئے ہیں۔ دعا کیجئے گا۔ یہ کہہ کر مولوی امداد علی بہ عجلت تمام چلے آئے۔ اور ہمارے ساتھ گاڑی پر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد ہم اسٹیشن ٹالم پہنچے۔ اور ظہر کی نماز ادا کی۔ اتنے میں ایک احمدی بھائی نے کہا کہ عصر کی نماز گاڑی پر پڑھنی مشکل ہوگی۔ بہتر ہے کہ ظہر کے ساتھ عصر کی نماز جمع کر لی جاوے لہذا ہم سب احمدیوں نے جو وہاں جمع ہو گئے تھے عصر کی نماز بھی پڑھ لی۔ نماز ادا کر لینے کے بعد میں اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر ٹہل رہا تھا کہ دیکھتا کیا ہوں کہ مولوی محمد حسین صاحب ٹالوی دو میل کا فاصلہ پایادہ طے کر کے آیا اور السلام علیکم کہہ کر مجھ سے کہنے لگا واہ مولوی صاحب! آپ مجھ سے ملاقات تک نہ کر کے آئے۔ میں نے اس کا وہی جواب دیا جو مولوی امداد علی نے دیا تھا۔ کیونکہ فی الواقع میری طبیعت اس دن ایسی خراب تھی کہ بات کرنے کو جی نہ چاہتا تھا۔ پھر مولوی محمد حسین مجھ سے پوچھنے لگا۔ کہ قادیان میں آپ نے کیا دیکھا۔ میں نے کہا۔ کہ قادیان کوئی نمائش گاہ یا تماشا کی جگہ تو ہے نہیں۔ ہاں بہت دنوں سے میں اس سلسلہ کے متعلق غور کر رہا تھا قادیان جا کر پندرہ دن تک

رہنے اور جناب مولوی نور الدین صاحب سے بات چیت کرنے سے
 میرے جو شبہات تھے وہ سب دور ہو گئے اور شرح صدر حاصل
 ہو گیا۔ پس میں نے بیعت کر لی ہے میرے اتنا کہنے پر مولوی محمد حسین
 نے اپنی جیب سے ایک قلمی فتویٰ نکالا اور پڑھ کر مجھے سنا نے
 لگا۔ ہر چند میں نے منع کیا کہ میں اسے سننا نہیں چاہتا کیونکہ مجھے
 بھی فتویٰ لکھنا بہت آتا ہے۔ یہ موم کی ناک ہوتی ہے لکھنے والا
 جدھر پھیرنا چاہتا ہے اُدھر ہی پھرتی ہے اس پر بھی وہ نہ لگا۔
 اس فتویٰ کے عنوان پر یہ سوال لکھا ہوا تھا کہ میرزا قادیانی اور اس
 کے اتباع مسلمان ہیں یا کافر۔ یہ سنکر مجھے بھی کچھ غیظ آ گیا۔ اور
 میں اس سے کہنے لگا۔ کہ سنئے تو سہی۔ آپ نے تو میرزا صاحب کے
 خلاف ابتداء ہی سے لکھنا شروع کیا تھا۔ لیکن اس فتویٰ نویسی کا
 نتیجہ کیا ہوا۔ یہی کہ آپ فتوے لکھتے لکھتے نیچے کی طرف جا رہے
 ہیں اور میرزا صاحب طبعی کی طرف صعود کر رہے ہیں پھر بھی آپ
 کا فتویٰ لکھنے کا شوق کم نہیں ہوتا۔ کیا یہ فتویٰ آپ نے لکھا ہے؟
 انہوں نے جواب دیا کہ میں نے نہیں لکھا۔ بلکہ دیوبند کے کسی مدرس
 نے لکھا ہے جب میں نے اس مدرس کا نام پوچھا تو زام نہ بتایا پھر
 میں نے کہا کہ دیوبندیوں اور ولایتیوں کے خلاف عرب و عجم سے آئے
 ہوئے مطبوعہ فتادی بکثرت میرے پاس موجود ہیں۔ آپ ان سب کا
 کیا جواب دیتے ہیں اور کس بے غیرتی سے آپ میرزا صاحب کے خلاف

فتویٰ لکھتے ہیں آپ کو شرم نہیں آتی۔ اگر کوئی پوچھے کہ نذیر حسین دہلوی
 اور اس کے اتباع مسلمان ہیں یا کافر۔ تو آپ اس کا کیا جواب دیں گے
 تب بہوت سا ہو رہا۔ اس وقت میں نے کہا کہ آپ ذرا خیال تو کریں کہ
 آپ کیا سے کیا ہو گئے؟ اتنے میں شملہ کے ایک معزز احمدی جو دہاں
 موجود تھے۔ مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ جناب مولوی صاحب یہ
 بٹالوی صاحب اگلے دنوں جب شملہ جاتے تو اسٹیشن پر لوگ استقبال
 کے لئے جاتے تھے۔ مگر اس دن کی بات ہے کہ جب یہ ہمارے شہر
 میں پھر گئے تو کسی نے آنکھ اٹھا کر بھی ان کی طرف نہ دیکھا۔ یہاں تک
 کہ بیٹھنے کی جگہ بھی نہ دی۔ آخر اپنا پانچواں ایک جگہ بچھا کر بیٹھ گئے۔
 الملاحظہ ان سب باتوں سے مولوی محمد حسین کو بھی کچھ غیظ آگیا
 اور غصہ ہو کر کہنے لگا۔ کہ میں نے اشاعت السنہ کی تین جلدیں جو آپ کو
 دی تھیں وہ واپس کر دیجئے۔ میں نے کہا کہ آپ نے تو وہ جلدیں مجھے
 ہبہ کر دی ہیں۔ مولوی بٹالوی نے کہا۔ کہ میں آپ کو ایسا نہ سمجھتا تھا۔
 میں نے کہا کہ آپ کو اہل حدیث کہلاتے ہیں۔ اور حدیث شریف میں
 وارد ہے کہ الرجاء فی ہبتہ کا الرجاء فی قیئہ۔ پس جب
 تک آپ صحیح حدیثوں سے ہبہ سے رجوع کرنے کا ہوا ثابت نہ کریں گے
 میں ہرگز کتنا میں واپس نہ دوں گا۔ اتنے میں گاڑی آگئی اور ہم سب
 غمخت کے ساتھ گاڑی پر سوار ہو گئے۔ اور مولوی محمد حسین اپنے مکان
 کی طرف سدھارے۔ فی الواقع وہ موقع بھی ایسا نہ تھا کہ اشاعت السنہ

کی وہ جلدیں اس وقت انہیں واپس کی جاتیں۔ کیونکہ اسباب ہمارے بالکل بندھے ہوئے تھے اور ریل گاڑی کی آمد آمد بھٹی۔ ایسے وقت میں اسباب کا کھولنا اور کتابیں نکالنا مشکل تھا۔ اگر ممکن ہوتا تو میں ضرور کتابیں واپس کر دیتا۔

الغرض بٹالہ سے روانہ ہو کر لاہور پہنچا وہاں احمدیہ بلڈنگس میں جاؤں میرزا یعقوب بیگ اور ڈاکٹر محمد حسین شاہ سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے بڑی خاطر تواضع کی۔ اور نہایت پُر تکلف کھانے کھلائے وہ زمانہ غلیفہ اول کا تھا اور میرے قادیان میں قیام کے زمانہ میں یہ لوگ ایک مرتبہ قادیان بھی گئے تھے اور وہیں ان سے روشناسی ہوئی تھی اس وقت یہ لوگ غیر مبائع اور علیحدہ فریق نہ تھے۔ دوسرے دن خبر پاتے ہی جناب حکیم محمد حسین صاحب قریشی بھی آگئے۔ ان کی ملاقات سے بہت ہی فرحت و خرمی حاصل ہوئی۔ کیونکہ آدمی بہت ہی عمدہ ہیں اور انہی کے ذریعہ اولاً مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خبر پہنچی تھی۔ جیسا کہ اوائل رسالہ میں اس کا ذکر آچکا ہے میرے لاہور کے قیام تک حکیم صاحب اکثر میرے ساتھ رہے۔ اور جب میرے پاس آتے تو کچھ نہ کچھ ناشتہ بقیم مٹھائی اپنے ساتھ لاتے۔ اور ایک دن پُر تکلف دعوت بھی کی۔ شہر لاہور کی سیر بھی کرائی اور تماشے دکھائے۔ بالآخر لاہور سے روانہ ہو کر ہم کلکتہ واپس پہنچے۔ چونکہ کلکتہ پہنچنے کے بعد مجھے بخار آگیا تھا۔ اس لئے کئی دن دواں ٹھہرنا پڑا۔ بعد افاقہ کے

حکومت سے روانہ ہو کر اپنے وطن برہمن بڑیہ پہنچا۔ اور سنت اللہ کے مطابق اہل وطن مریدین و معتقدین میں مخالفت شروع ہوئی جس جس کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی وہ بیعت کر کے سلسلہ حقہ میں داخل ہوا۔ جس سے تقریباً ہزار آدمی یہاں احمدی ہو گئے۔ رہا مخالفین کی مخالفت اس کی تفصیل بہت ہی طویل ہے جس کے لئے علیحدہ رسالہ کی ضرورت ہے۔ ہذا مَا اردنا ايرادة في هذا المقام وعلى الله التوكل وبه الاعتصام وصلى الله على محمد سيد الانام وآله العظام واصحابه الكرام۔

دو خطوط واجب الشاعت

برادران! السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ۔ اس رسالہ حذیثہ الحق کے کچھ صفحے چھپ جانے کے بعد اس کے مصنف میرے والد ماجد حضرت مولانا سید محمد عبد الواحد صاحب بتاریخ ۴ ماہ رمضان المبارک ۱۳۴۴ھ جمعات کی شام کو ۹ بجکر ۳۳ منٹ پر ۷۳ برس کی عمر میں دارِ فانی سے سرائے جہاد دانی کی طرف رحلت کر کے اپنے مولیٰ سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ والد مرحوم کی وفات کے بعد اس رسالہ کا بقیہ حصہ چھپنے لگا۔ تب میں نے مناسب سمجھا کہ اس رسالہ کے آخرین حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وہ دو خطوط جو حضور علیہ السلام نے میرے والد مرحوم کو لکھے تھے۔ اور وہ اب تک محفوظ تھے۔ شائع کر دیئے جائیں تاکہ حضور کے

الفاظ بھی محفوظ ہو جائیں۔ اور جناب حکیم محمد حسین صاحب قریشی کا (جن کے ذریعہ والد مرحوم کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کی خبر سب سے پہلے ملی تھی) وہ آخری محبت نامہ بھی چھپ جائے۔ جو حضرت والد مرحوم کی وفات سے تقریباً ایک ماہ قبل آیا تھا۔ اور ناظرین سے درخواست ہے کہ میرے والد مرحوم کے لئے دعاء مغفرت فرما کر مشکور فرمادیں۔
 زیادہ کیا تحریر کروں۔ والسلام

حاکم سید سعید احمد احمدی منیجر بنگال احمدیہ ایسوسی ایشن
 مقام برہن بڑیہ ضلع پیرا بنگال۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دو خط

بنام حضرت مولانا سید محمد عبدالواحد ضامن مرحوم
 محبتی اخیریم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ کا غنائت نامہ پہنچا۔ اس وقت میں نہایت قلیل الفرصت ہوں
 مگر میں نے ارادہ کیا ہے کہ آپ کے شہادت کا جواب اپنے ایک رسالہ میں
 جو میں نے لکھنا شروع کیا ہے لکھ دوں۔ یہ رسالہ اگر خدا تعالیٰ نے چاہا
 تو نومبر ۱۹۰۵ء تک ختم ہو جائے گا۔ اور چھپ جائیگا۔ یہ آپ کے ذمہ
 ہوگا کہ آپ نومبر کے اخیر میں یا دسمبر ۱۹۰۵ء کی ابتداء میں مجھے اطلاع
 دیں۔ تو میں رسالہ آپ کی خدمت میں بھیج دوں۔ اور امید رکھتا ہوں کہ

لے براہین احمدیہ جلد پنجم (ناشر)

رسالہ کے دیکھنے سے علاوہ آپ کے شبہات کے ازالہ کے اور بھی کئی
قسم سے آپ کی واثقت بڑھے گی۔ اگرچہ میرے نزدیک یہ معمولی
اعتراضات ہیں جن کا متفرق کتابوں میں بار بار جواب دیا گیا ہے۔ مگر
چونکہ تحریر سے سعادت اور حق طلبی مترشح ہو رہی ہے اس لئے محض
آپ کے فائدہ کے لئے یہ تکلیف اپنے پرگوارا کر لوں گا۔ آپ کے فہم اور
مذاق کے مطابق جہاں تک مجھ سے ہو سکے گا لکھ دوں گا۔ آئندہ ہر ایک
امر اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے مجھے امید تھی کہ یہ باتیں ایسی سہل اور
راہ پر پڑی ہیں کہ آپ تھوڑی سی توجہ سے خود ہی ان کو حل کر سکتے تھے
لیکن اس میں کوئی مصلحت الہی ہو گی کہ مجھ سے آپ نے جواب مانگا۔
زیادہ خیریت ہے۔ والسلام خاکسار مرزا غلام احمد غفری عنہ

قادیان۔ گورداسپور۔ پنجاب

خط نمبر ۲۔ محبتی اخو یوسف محمد عبدالواحد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ !
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۱۔ آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔ دو تین ہفتہ
سے پھر بیمار ہوں۔ اس لئے کام چھپوائی کتاب کا ابھی شروع نہیں
کر سکا۔ آپ کے نئے اعتراض بھی میری نظر سے گذرے۔ خدا تعالیٰ
آپ کو تسلی بخشے آمین۔ میں اگر ان اعتراضات کا جواب لکھوں تو طول
بہت ہو جائے گا۔ اور میں اپنی متفرق کتابوں میں ان کا جواب دے
چکا ہوں میں نے یہ تجویز سوچی ہے کہ جس طرح ہو سکے آپ ایک ماہ
کی رخصت لیکر اس جگہ آجائیں۔ آمد و رفت کا تمام کرایہ میرے ذمہ ہو گا

اس صورت میں ایک ماہ کے عرصہ میں آپ پوری تسلی سے رب کچھ دریافت کر سکتے ہیں اور انشراح صدر غذا نغالی کے اختیار میں ہے لیکن اپنی طرف سے ہر ایک بات سمجھا دی جاوے گی۔ اور اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آوے تو مقام افسوس نہ ہوگا۔ اور اس صورت میں آپ اس تمام کتاب کو جس میں آپ کے اعتراضات کا جواب ہے قبل از اشاعت دیکھ سکتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ نہایت عمدہ طریق ہے۔ آپ یہ خیال نہ کریں کہ مجھے خرچ آمد و رفت بھیجنے میں کچھ تکلیف ہوگی۔ کیونکہ آپ کی تحریر میں رشد اور سعادت کی بُو آتی ہے اور آپ جیسے رشید کے لئے کچھ مال خرچ کرنا موجب ثواب اور اجر آخرت ہے۔ جواب سے ضرور مطلع فرمادیں۔ والسلام

راقم میرزا غلام احمد عفی عنہ

۲۴ جنوری ۱۹۰۶ء

حضرت مؤلف مرحوم کا یہ تبلیغی سفر نامہ خاکسار نے طالبانِ حق کے لئے دوہری بار چالیس سال بعد شائع کیا ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اسے طالبانِ حق کے لئے بابرکت بنائے آمین۔ خاکسار حکیم عبداللطیف شاہ تاجر کتب
کلاہن بازار گوالمندھی لاہور۔

(۲۰ دسمبر ۱۹۶۶ء)